www.urducouncil.nic.in

قیمت: ₹ 15/-

آدمی آبادی کے جذبات واحساسات کا ترجمان

ماہنامہ
خواتین دنیا

Mahnama Khawateen Duniya Monthly , New Delhi

اپریل 2025

ادب اطفال کی دنیا میں اہم ترین سنگ میل

قومی اردو کونسل کی فخریہ پیش کش

ماہنامہ بچوں کی دنیا دہلی

Monthly BACCHON KI DUNIYA, New Delhi

پیاری پیاری نظمیں
دلچسپ کہانیاں
سائنس وٹیکنالوجی

معلوماتی مضامین
صحتِ اطفال
بچوں کا کتب خانہ

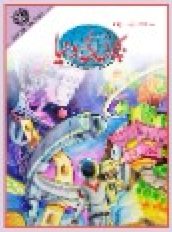

ان کے علاوہ:

- کہکشاں ◆ زبان شناسی
- میرا بچپن ◆ بچوں کے بڑے ادیب
- بچوں کی پینٹنگ ◆ ڈاک خانہ جیسے مستقل کالم

اور بہت کچھ

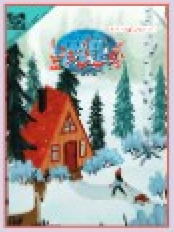

سب سے زیادہ چھپنے والا بچوں کا اردو رسالہ

قیمت فی شمارہ: 15 روپے سالانہ: 145 روپے

سالانہ خریداری اور ایجنسی کے لیے رابطہ فرمائیں

زرتعاون سالانہ 145 روپے بنام NCPUL اکاؤنٹ نمبر: 90092010045326 ،A/C: IFSC: CNRB0019009 میں جمع کریں۔

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066

فون: 011-26109746 فیکس: 011-26108159، E-mail: magazines@ncpul.in

شاخ: 110-7-22 تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس بلاک نمبر 5-1، پتھر گٹی، حیدرآباد-500002 فون: 24415194 - 040

اس شمارے میں

ادارىہ

مشعل	مدیر	4

شخصیات

حقیقت ورومان کا شاعر: حشمت علی حشمت	صابرہ خاتون	5
نازش پرتاپ گڑھی کی شاعری میں حب الوطنی	مہرالنساء	9
واجدہ تبسم کا تخلیقی سفر	ہدیہ تبسم	12

گوشۂ صحافت

اردو صحافت کی ترویج میں خواتین کی خدمات	وضاحت حسین رضوی	17
اردو صحافت میں نسائی وجود: چیلنجز اور کامیابیاں	ظہیر عباس	22

جہان نسواں

بھارتی افواج میں خواتین کی حصے داری	خواجہ عبدالمنتقم	25
فاصلاتی تعلیم اور خواتین: ڈیجیٹل انقلاب کی نئی راہیں	ندیم احمد	29
ہندوستان کی تحریک آزادی میں خواتین کا کردار	زبیدہ نسیم	32
انور نزہت: ایک نمائندہ فکشن نگار	گلاب سنگھ	36
خواتین فکشن میں سماجی ونفسیاتی مسائل	وسیمہ اختر	40

جہان سائنس

سائنس کی دنیا میں خواتین کا کردار	شاداب تبسم	45
ہندوستان کی پانچ معروف خواتین سائنسداں	ترنم منصوری	49

حسن سخن

ثمینہ بیگم، ترنم صبا، نوری عشرت		54

افسانے /انشائیے

دیکھ لیا نا	آیت تنویر	56
کیسی یہ ستم ظریفیاں	صائمہ انصاری	59

ارتباط

مباحثہ/ قارئین کے خطوط		62

اردو آبادی کے جذبات واحساسات کا ترجمان

ماہنامہ

خواتین دنیا

Mahnama Khawateen Duniya Monthly , New Delhi

جلد: 9 شمارہ: 4 اپریل 2025

مدیر اعلیٰ : ڈاکٹر شمس اقبال

مدیر منتظم : ڈاکٹر شمع کوثر یزدانی

نائب مدیر : ڈاکٹر عبدالباری

ناشر اور طابع

ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

وزارت تعلیم محکمۂ اعلیٰ تعلیم، حکومت ہند

مطبع: میکاف پرنٹرس، B-127، سیکٹر 65

نوئیڈا۔ 201301 (یوپی)

مقام اشاعت: دفتر قومی اردو کونسل

قیمت -/15 روپے، سالانہ -/145 روپے

صفحات: Total Pages 64

■ قلم کاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل (NCPUL) اور اس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

● ڈرافٹ NCPUL، New Delhi کے نام ارسال کریں

صدر دفتر

فروغ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا

جسولہ، نئی دہلی-110025، فون: 011-49539000

شعبۂ ادارت: 011-49539009

نگارشات ارسال کرنے کے لیے

ای میل: kduniya@ncpul.in

editor@ncpul.in

شعبۂ فروخت

ویسٹ بلاک-8، ونگ-7، آر کے پورم، نئی دہلی۔ 110066

فون: 26109746، فیکس: 26108159

ای میل: sales@ncpul.in

شاخ: 110-7-22، تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس

بلاک نمبر 5-1، چھتہ بازار، حیدرآباد-500002

فون: 040 - 24415194

مشعل

زندگی کا کوئی ایسا شعبہ نہیں ہے جہاں خواتین نے اپنی موجودگی درج نہ کروائی ہو۔ خواتین نے ہر زمانے میں اپنے ہونے کا احساس دلایا ہے۔ فروری 2025 میں سائنس اور خواتین کے عنوان سے خصوصی شمارے کی اشاعت عمل میں آئی۔ اس خصوصی شمارے میں ان خواتین کے بارے میں بہت کچھ لکھا گیا، جنھوں نے سائنس اور ٹکنالوجی کے میدان میں قابل قدر اور نا قابل فراموش کارنامے انجام دیے۔ لیکن اس کے باوجود ان کی زندگی کے بہت سے ایسے گوشے ہیں جو اب بھی ہماری نگاہ سے روپوش ہوں گے۔ ہم عام طور پر انسان کی کامیابی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں لیکن اس کے پس پشت انتھک کوششوں، صبر و ضبط، استقلال اور لامتناہی حوصلوں کی اڑان کی جانب ہماری نگاہ کم کم جا پاتی ہے۔ کامیابی اچانک ہاتھ نہیں آتی بلکہ اس کے پس پردہ بے شمار ناکامیاں پوشیدہ ہوتی ہیں۔ اصل دیکھنے اور غور کرنے کی بات یہ ہے کہ ان بے شمار ناکامیوں کے باوجود حوصلے اور یقین شکست خوردہ نہیں ہوتے۔ یہ وہ خوبیاں ہیں جو مشترکہ طور پر ان تمام خواتین میں پائی جاتی ہیں جنھوں نے کسی نہ کسی طور پر دنیا کو اپنے کارناموں سے متاثر کیا ہے۔

سنیتا ولیمز 18 مارچ کو روئے زمین پر واپس لوٹ آئیں۔ ان کی واپسی پوری دنیا کے لیے جشن کا باعث بنی۔ ان کی واپسی نے بتایا کہ ان کی زندگی دنیا کے لیے کس قدر اہم ہے۔ انھوں نے خلا میں 286 ایام گزارے، وہ کچھ دنوں کے لیے ہی خلا میں گئی تھیں لیکن تکنیکی خرابیوں کے سبب اتنا طویل عرصہ انھیں انسانی آبادی، اپنے وطن اور گھر والوں سے دور رہ کر گزارنا پڑا۔ بہت مشکل ہے ایک ایسی جگہ زندگی کے اوقات بسر کرنا جہاں دور دور تک کوئی انسان نظر نہیں آتا۔ جہاں تک نگاہ جا سکتی ہے بے کنار خلا کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔ ایسے میں جب سنیتا کو تکنیکی خرابی کے سبب زمین پر واپسی کے راستے مشکل نظر آئے تو دل پر کیا کیفیت گزری ہوگی۔ مگر ان کا حوصلہ و یقین نا قابل شکست تھا۔ شکست خوردگی انھیں چھو کر بھی نہ گزر سکی۔ انھوں نے پوری قوت کے ساتھ یقین و صبر کا ہاتھ تھام لیا۔ داخلی خوف و ہراس کو شکست دے کر خود کو سنبھالا اور تحقیق جاری رکھی۔ انھیں یقین تھا کہ میں ایک دن ضرور زمین پر واپس لوٹوں گی۔

یہ حوصلہ اور یقین صرف ان کے داخل میں موجود نہ تھا بلکہ روئے زمین پر بھی ان کے حوصلوں اور یقین کی باتیں ہو رہی تھیں۔ وہ کہانیوں میں ایک مثال اور نظیر بن گئی تھیں، ان خواتین کے لیے جنھیں اپنی زندگی کی آزمائش کے مراحل طے کرنے ابھی باقی ہیں۔ بالآخر وہ دن آ ہی گیا جس پر سنیتا ولیمز کے حوصلوں کا ارتکاز تھا۔ جب وہ خلائی کیپسول سے باہر آئیں تو ان کی آنکھوں میں خوشی کے قطرے چھلک رہے تھے اور ان کا چہرا پر وقار و پر اعتماد تھا۔ آج سنیتا ولیمز سے بہتر طور پر کوئی اور زندگی کی اہمیت و قدر نہیں سمجھ سکتا۔ انھیں بخوبی معلوم ہے کہ زندگی کے کیا معنی ہیں۔ ان کی زندگی انسانیت کے لیے یقین محکم اور عمل پیہم کا استعارہ بن گئی ہے۔ سنیتا ولیمز نے یہ ثابت کیا ہے کہ آج کی خواتین میں عزم و حوصلہ بدرجۂ اتم موجود ہے۔ حوصلے اور یقین کی باگ ڈور ان کے ہاتھ میں ہے۔ مشکل وقت اور ناامید لمحوں کو اپنے صبر و تحمل سے تبدیل کرنے کا جو جذبہ ان کے اندر موجود ہے، وہ قابل رشک بھی ہے اور قابل تقلید بھی۔

آپ کا

صابرہ خاتون

حقیقت و رومان کا شاعر
حشمت علی حشمت

حشمت علی حشمت کی شاعری تقریباً آٹھ نو برسوں پر محیط ہے مگر اس قلیل عرصے میں ان کی شاعری نے جو بال و پر نکالے ہیں اور پختگی کی جس منزل تک پہنچی ہے اسے دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ اب اس سے کوئی غرض نہیں کہ شاعری کی دیوی ان پر کب مہربان ہوئی اور انھوں نے غزل جیسی ہر دلعزیز صنفِ سخن کو کب اپنا محبوب بنایا اور اس کی شانہ کشی میں کتنی عمر صرف کی۔ دیکھنا صرف یہ ہے کہ کوئلہ مزدوروں کے بیچ کوآپریٹو کے خازن کی حیثیت سے تھکا دینے والی نوکری کرنے کے باوجود ان کی غزلوں میں اتنی لطافت، نزاکت، غنائیت کہاں سے در آئی؟ اس کا سرا کسی ایسے شاعر سے تو نہیں ملتا جس سے رومانیت، موسیقیت اور غنائیت کے جراثیم ان کے اندر بھی داخل ہو گئے ہوں۔

تحقیق کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے والد اور چچا اپنے زمانے کے معروف قوالوں میں شمار ہوتے تھے۔ حشمت علی کی معصوم آنکھوں اور کچے ذہن نے بچپن سے ہی انھیں گاتے ہوئے دیکھا اور سنا۔ وہیں سے غزل کی دلکشی، اس کا بانکپن، اس کی محبوبیت اپنی تمام تر خصوصیات کے ساتھ ان کی روح میں سما گئی۔ انھوں نے نہ صرف شعر کہنا بلکہ گانا اور گنگنانا بھی شروع کیا۔ ان کی بیشتر غزلوں میں موسیقیت غالب ہے۔ وہ اپنے جذبات، مشاہدات و تجربات کو جذبہ لطیف میں پرو کر غزل کی روح میں اتار دیتے ہیں۔ ان نازک جذبوں سے گندھی ہوئی غزل سماعت پہ بار نہیں ہوتی بلکہ ذہن و دل میں عجب سی شیرینی گھول دیتی ہے جس سے ذہن سکون پاتا ہے، دل مطمئن ہوتا ہے اور آنکھیں چمک اٹھتی ہیں۔ ان کے چند اشعار دیکھیں۔

میں پرستش تری نہ کرنے لگوں
دیکھ مت چشمِ سامری سے مجھے

یہ اور بات کہ ملتے ہیں اجنبی کی طرح
لگاؤ اب بھی ترے مرے درمیان میں ہے

کھینچ لاتا تھا میرے پہلو میں
شوق تھا، اعتبار تھا، کیا تھا

رفتہ رفتہ ہو رہا ہے قرب کا مجھ کو گماں
دیکھیے پھر سے کہا ہے آپ نے اپنا مجھے

کتنے پھولوں کا احتساب کیا
تب کہیں تیرا انتخاب کیا
پاس آنے سے وہ بھی ڈرنے لگا
اس وبا نے تو یار حد کر دی

"اردو غزل کے بنیادی موضوعات میں جہاں حسن کی جلوہ آرائیاں ہیں وہیں عشق کی نیرنگیاں بھی ہیں ۔ لیلیٰ مجنوں ، شیریں فرہاد ، ہیر رانجھا ، سوھنی مہیوال اور اس جیسے نہ جانے کتنی ہی شہیدانِ محبت ایسے ہیں جو عشق کا استعارہ ہیں، جن سے عشق کو اعتبار حاصل ہوا ہے۔ عشق مجازی کے ساتھ ہی عشق حقیقی کے جلوے بھی اردو شاعری میں بکھرے پڑے ہیں ، کہیں کوئی بے خطر آگ میں کود پڑتا ہے ، تو کوئی خنجر کے نیچے اپنی گردن رکھ دیتا ہے ، کوئی صلیب پر چڑھ جاتا ہے تو کسی کو عشق کی معراج حاصل ہوتی ہے۔"

اردو غزل کے بنیادی موضوعات میں جہاں حسن کی جلوہ آرائیاں ہیں وہیں عشق کی نیرنگیاں بھی ہیں ۔لیلیٰ مجنوں، شیریں فرہاد، ہیر رانجھا، سوہنی مہیوال اور اس جیسے نہ جانے کتنی ہی شہیدانِ محبت ایسے ہیں جو عشق کا استعارہ ہیں، جن سے عشق کو اعتبار حاصل ہوا ہے۔عشق مجازی کے ساتھ ہی عشق حقیقی کے جلوے بھی اردو شاعری میں بکھرے پڑے ہیں، کہیں کوئی بے خطر آگ میں کود پڑتا ہے، تو کوئی خنجر کے نیچے اپنی گردن رکھ دیتا ہے، کوئی صلیب پر چڑھ جاتا ہے تو کسی کو عشق کی معراج حاصل ہوتی ہے۔غرض عشق اتنا ہی مضبوط اور پاکیزہ جذبہ ہے جو ہرایرے غیرے کو منہ نہیں لگاتا، یہ کسی کسی کے حصے میں ہی آتا ہے۔ حشمت علی کے یہاں عشق کی کارفرمائیاں عروج پر ہیں ۔انھوں نے عشق جیسے جذبے کو مختلف انداز سے اپنی شاعری میں برتا ہے اور ہر بار ایک نیا ذائقہ عطا کیا ہے۔اس حوالے سے ان کے یہ اشعار دیکھیں۔

کیا ہے عشق کا قرار بھی تو شرطوں پر
مجھے وہ دوسرا فرہاد کرنے والا ہے

نمازِ عشق تو ہم نے قضا کی
بچھا دل پر مصلیٰ رہ گیا ہے

قیس و فرہاد ہی نہیں مظلوم
عشق تیرا شکار ہم بھی ہیں

عشق انسانیت کی ہے معراج
اور زمانہ برا سمجھتا ہے

مرحلہ عشق کا آسان کہاں ہوتا ہے
اس سے واقف دلِ نادان کہاں ہوتا ہے

مذہبِ عشق کا ہوتا ہے عقیدہ ہی الگ
اہلِ دل ہندو مسلمان کہاں ہوتا ہے

عشق تو قیدِ با مشقت ہے
کوئی صورت نہیں رہائی کی

حشمت علی حشمت کے یہاں معاملات حسن وعشق کے بیان کے ساتھ ہی عصری حسیت کا اظہار بھی ہے۔زمانے کی رفتار پر ان کی گہری نظر ہے ، روزمرہ کے مسائل کا ادراک بخوبی ہے ۔ ان کی شاعری میں یہ پرچھائیاں جگہ جگہ سر سراتی نظر آتی ہیں۔ بلکہ کہیں کہیں تو صاف لفظوں میں ان حالات، افکار و مسائل کی نشاندہی کی گئی ہے جن سے زمانہ دوچار ہے۔

دیانت کی ہری کھیتی بچائیں
تعصب کا ہے مینڈھا چڑھنے والا

کتنی زرخیز ہے یہ مہنگائی
پھر سنا ہے کہ پاؤں بھاری ہے

فضا میں اتنی حرارت ہے آج نفرت کی
ہنسی مذاق میں گھر بار جلنے لگتے ہیں

بگولے اٹھنے لگے آج ہر سو نفرت کے
ہوا یہ دم نہیں لے گی دیے بجھائے بغیر

سخاوت کی نمائش ہو رہی ہے
جہاں دریا ہے بارش ہو رہی ہے

اجالے دم بخود پیچھے کھڑے ہیں
اندھیروں کی سفارش ہو رہی ہے

"کسی بھی موضوع کو برتنے کا ان کا اپنا ہی جداگانہ انداز ہے، ان کے اسلوب میں ندرت اور دلکشی ہے، تہذیب و شائستگی ہے، لفظیات پر ان کی گرفت بہت مضبوط ہے۔ وہ سامنے کی چیزوں کو بھی بالکل نئے مطالب و مفاہیم کے ساتھ اپنے شعروں میں کچھ اس طرح استعمال کرتے ہیں کہ وہ بے جوڑ نہیں لگتے بلکہ انگوٹھی میں نگینے کی طرح جڑے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ ان کے یہاں تشبیہات و لفظیات دونوں ہی عام روش سے الگ منفرد و یگانہ ہیں۔"

کسی بھی موضوع کو برتنے کا ان کا اپنا ہی جداگانہ انداز ہے، ان کے اسلوب میں ندرت اور دلکشی ہے، تہذیب و شائستگی ہے، لفظیات پر ان کی گرفت بہت مضبوط ہے۔ وہ سامنے کی چیزوں کو بھی بالکل نئے مطالب و مفاہیم کے ساتھ اپنے شعروں میں کچھ اس طرح استعمال کرتے ہیں کہ وہ بے جوڑ نہیں لگتے بلکہ انگوٹھی میں نگینے کی طرح جڑے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ ان کے یہاں تشبیہات و لفظیات دونوں ہی عام روش سے الگ منفرد و یگانہ ہیں۔ ابرہہ، ابابیل، مرکب، عنصر، تاج محل، عذاب، ثواب وغیرہ کو انھوں نے کس طرح برتا ہے اس کی مثال مندرجہ ذیل اشعار ہیں۔

ابرہہ چاہ کے بھی ڈھا نہ سکے دل کا حرم
تری الفت کو ابابیل کیے دیتا ہوں

اک مرکب کی شکل تھے اب تک
عنصروں میں بکھر گئے ہیں ہم

تنگ دستی کو چھپانے میں خلل پڑتا ہے
سامنے گھر کے مرے تاج محل پڑتا ہے

گرجتا بادل، چمکتی بجلی، خنک فضا، پرشباب موسم
تمھارا ہونا ثواب صورت، جو تم نہیں تو عذاب موسم

حشمت علی کے یہاں جمالیاتی مشاہدہ بھی خوب ہے۔ انھوں نے اپنے جنسی جمالیاتی مشاہدہ اور تجربے کو غزل کے خوبصورت مرمریں سانچے میں ڈھال کر ایک مانوس فضا اور مسحور کن ماحول تخلیق کیا ہے جس سے ذہن و دل متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے۔ ان کے یہاں داغ کا بیباکانہ رویہ اور رومانی لہجہ بھی ہے اور مومن کی معاملہ بندی اور نزاکتیں بھی۔ ان خصوصیات کے ساتھ ہی چھوٹے چھوٹے جملوں اور لفظوں میں گہرے مفاہیم کی آمیزش ان کی غزل کے حسن کو دوبالا کرتی ہے۔ ان کی غزلوں میں سہل ممتنع کی خوبی بھی پائی جاتی ہے۔ غزلیں چاہے چھوٹی بحر کی ہوں یا بڑی بحر کی یہ خصوصیت ان کے بیشتر اشعار میں نظر آتی ہے جسے پڑھ کر ایک طرح کی خوشی، وارفتگی اور سرشاری کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔

کھینچ لاتا تھا میرے پہلو میں
شوق تھا اعتبار تھا، کیا تھا

رفتہ رفتہ ہو رہا ہے قرب کا مجھ کو گماں
دیکھیے پھر سے کہا ہے آپ نے اپنا مجھے

پھول، خوشبو، چاند، تارے اور کیا
سب تمہارے استعارے اور کیا

بیچتے ہیں دوائے درد دل
برسر روزگار ہم بھی ہیں

انھوں نے دور حاضر کی لفظیات اور تشبیہات کو بھی اپنی غزلوں میں بخوبی برتا ہے، ہندی اور انگریزی کے الفاظ بھی ان کی غزلوں میں شیر وشکر ہو گئے ہیں۔ دوسری زبانوں کے لفظوں کی آمیزش نے بھی ان کی غزلوں کو ایک علاحدہ حسن بخشا ہے جس سے ندرت اور تازگی کا احساس ہوتا ہے اور بسا اوقات زیرلب تبسم بھی بکھر جاتا ہے۔

آ کے پہلو میں میرے بیٹھ گیا
وہ خدا جانے کس وچار میں ہے

کھول پائے نہ دردل کو کبھی کوئی حریف
قفل جڑ کر میں اسے سیل کیے دیتا ہوں

ہمیں کیا غم ہے کیوں سب کو بتائیں
کوئی حشمت نہیں دکھ ہرنے والا

تیرے اصرار کی تعمیل کیے دیتا ہوں
دل ترے نام سے ہی ڈیل کیے دیتا ہوں

بیٹری دل کی ہو گئی ڈاؤن
چلتے چلتے ٹھہر گئے ہیں ہم

حشمت علی کی غزلوں میں بہت تہہ داری ہے اور جاذبیت ہے۔ ان کی غزلوں کا مطالعہ ایک ایسی نشاطیہ کیفیت سے دوچار کرتا ہے جس سے دیر تک دلوں میں گدگداہٹ پیدا ہوتی رہتی ہے۔ انھوں نے فرسودہ اور پامال موضوعات کو بھی اپنے مخصوص لب ولہجہ کا پیراہن عطا کر کے ایک نوع کی تازگی بھر دی ہے۔ وہ ایسے باکمال شاعر کی شکل میں سامنے آتے ہیں جس کے یہاں رومانیت کا جادو بھی ہے اور حقیقت کا ترکا بھی۔ جس نے حسن وعشق کی نیرنگیوں کو اپنے موئے قلم سے صفحۂ قرطاس پر اتارا ضرور ہے مگر اپنی انا کی حفاظت بھی کی ہے۔ وہ عاشق بھی ہے اور خوددار وانا پرست بھی۔ وہ اصول پسند ہے، اسے اپنے اصولوں کا سودا منظور نہیں، اس کا مزاج حسینی ہے اس لیے وہ ظلمت و یزیدیت کے خلاف حق کا پرستار ہے، حق بیانی ہی اس کا شیوہ ہے۔ ذیل میں اسی قبیل کے چند اشعار پیش ہیں جن سے شاعر کا یہ رنگ بخوبی سامنے آتا ہے۔

مزاج اپنا حسینی ہے، یزید وقت یہ سن لے
تری بیعت سے سب کے سامنے انکار کرتا ہوں

ہزاروں تاج ٹھوکر میں پڑے ہیں
تو میری چاک دامانی پہ مت جا

ہم بھی اس پیشوا کے پیرو ہیں
جس کی ٹھوکر میں تاجداری ہے

مذکورہ بالا اشعار کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ حشمت علی حشمت کا اختصاص ہے کہ ان کی تقریباً ہر غزل میں کچھ ایسے اشعار ضرور مل جائیں گے جو اہل ذوق کی تسکین کا باعث ہوں گے اور جن میں زندگی کی حقیقتوں کا ادراک اور عصری وسماجی حالات کی منظرکشی نظر آئے گی۔

□□□

Dr. Sabera Khatoon
Dept. of Urdu
T.D.B College
Raniganj
Paschim Bardwan-713347 (West Bengal)
dr.saberahena@gmail.com

مہرالنساء

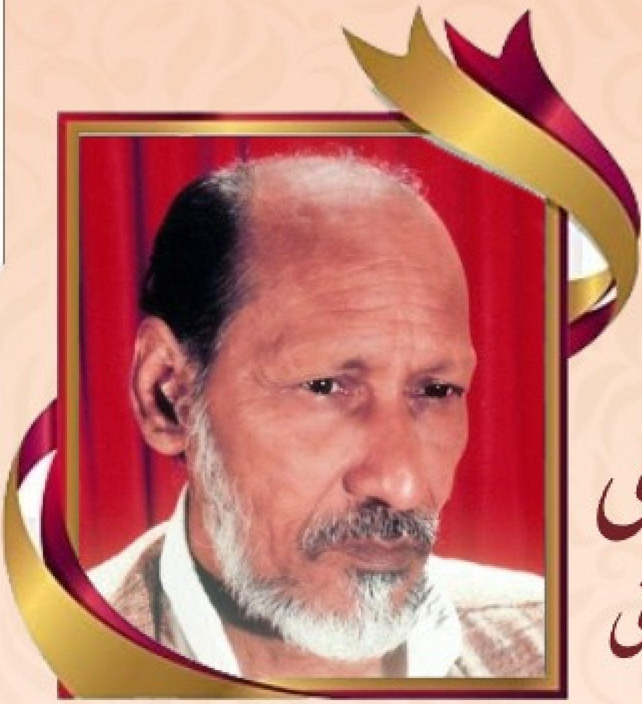

نازش پرتاپ گڑھی کی شاعری میں حب الوطنی

نازش پرتاپ گڑھی کا اصل نام محمد احمد تھا وہ ترقی پسند تحریک سے وابستہ ایک اہم شاعر کے بطور مشہور ہیں۔انھوں نے قلم کے ساتھ ساتھ عملی طور پر بھی اس تحریک میں حصہ لیا۔ ان کی پیدائش 1924 کو پرتاپ گڑھ میں ہوئی اور 1984 میں لکھنو میں ان کا انتقال ہوا۔نازش پرتاپ نے 13 سال کی عمر میں شاعری شروع کردی تھی۔ اس وقت وہ ساتویں جماعت کے طالب علم تھے۔ جلد ہی انھیں احساس ہوگیا کہ شاعری میں ان کو اصلاح کی ضرورت ہے۔ 1943 میں وہ علامہ سیماب اکبرآبادی کے شاگرد ہوگئے۔ یہاں انھوں نے شاعری کے فن پر دسترس حاصل کی۔اگرچہ آزادی سے پہلے ہی ان کی شاعری شروع ہوچکی تھی مگر ان کو پہچان 1947 کے بعد ہی ملی۔ 47 سے 1984 تک انھوں نے بہت کچھ لکھا مگر ان کی وہی شاعری عوام میں مقبول ہوئی جس میں وطنیت کا جذبہ تھا۔ان کے اندر حب الوطنی کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔یہی جذبہ ان کی شاعری میں ہمیں نہایت شدت کے ساتھ دیکھنے کو ملتا ہے۔حب الوطنی کے حوالے سے انھوں نے بے شمار نظمیں لکھی ہیں۔ یہاں تک کہ ان کے چند شعری مجموعوں کے عنوانات بھی اس جذبے کا اظہار کرتے ہیں جیسے ’چرخ وطن کے مہر و ماہ‘، ’اپنی دھرتی اپنی بات‘، ’جہاں اور بھی ہیں‘ وغیرہ۔ وطنیت پر مرکوز جذبے کے حوالے سے ان کی چند نظموں کے عنوانات ملاحظہ ہوں ’اے میرے وطن !‘، ’بھارت دیش ہمارا‘، ’اپنی دھرتی اپنا دیش‘، ’عظیم نہرو یہ کہہ رہا ہے‘، ’اندرا گاندھی کا پیغام‘، ’دیش کے نوجواں‘، ’جاگ اے میرے وطن‘، ’ایک رہو‘، ’بھارت ماں کے لال‘، ’بھارتی ایک ہیں‘ وغیرہ۔ان کی شاعری میں لفظ آزادی کا بھی جگہ جگہ ذکر ہے مگر وہ صرف انگریزوں سے حاصل ہونے والی آزادی نہیں بلکہ وہ مکمل آزادی چاہتے تھے۔ وہ سماجی برائیوں سے بھی آزادی چاہتے تھے۔اس حوالے سے محمد رضا انصاری ’اپنی دھرتی اپنی بات‘ کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں کہ:

> ’نازش پرتاپ گڑھی کا شمار اردو کے ان معدودے چند شعرا میں ہوتا ہے جنھوں نے اپنے فن کو خدمت وطن کے لیے وقف کررکھا تھا۔ نازش کا تصور آزادی محض بدیسی راج سے چھٹکارا حاصل کر لینے تک محدود نہیں تھا۔ ان کے نزدیک آزادی اس وقت مکمل ہوتی ہے جب غلامی کے ساتھ ساتھ اہل وطن تمام سماجی اور اخلاقی

عیوب سے بھی چھٹکارا پا جائیں اور صالح اخلاقی اقدار
پر مبنی ایک صاف ستھرا معاشرہ معرض وجود میں آجائے۔'

(اپنی دھرتی اپنی بات، نازش پرتاپ گڑھی، 1985، ص 3-4)

نازش پرتاپ گڑھی نے جد و جہد آزادی کا دور دیکھا اور اس آزادی میں حصہ بھی لیا۔ انھوں نے آزادی کے مقام تک پہنچنے کے لیے کیا کیا سپنے سجائے تھے اس چیز کا اظہار تو انھوں نے اپنی شاعری کے ذریعے کیا ہے مگر آزادی کے بعد کا ہندستان ان کے سپنوں کا مرکز تھا۔ لیکن یہ سپنے ادھورے رہ گئے۔ اسی لیے انھوں نے قلم کے ذریعے ہندستانی قوم کو بیدار کرنے کا سلسلہ جاری رکھا۔ حب الوطنی کے حوالے سے ان کی زیادہ تر شاعری آزادی کے بعد شائع ہوئی ہے اور اس شاعری سے جو مفہوم نکلتا ہے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وطنیت کے متعلق ابھی ان کے خواب پورے نہیں ہوئے تھے۔ وہ آزادی کے بعد بھی ان سپنوں کے لیے قلم کے ذریعے لڑتے رہے۔

وہ ہندستان اور ہندستانیوں کو ہر لحاظ سے آگے دیکھنا چاہتے تھے۔ اسی لیے وہ آزادی کے بعد بھی وہی نغمے گاتے رہے جو آزادی سے پہلے گایا کرتے تھے۔ فرق صرف اتنا تھا کہ پہلے ملک انگریزوں کے قبضے میں تھا اور بعد میں یہی ملک ایسی حکومت کے قبضے میں آگیا جہاں آزادی کے نعرے تو بند ہو گئے مگر بے شمار مزید مسائل نے جنم لے لیا۔ یہ ایسے مسائل تھے جنھوں نے عوام کے پاؤں میں زنجیریں ڈال دیں تاکہ ترقی کا کوئی بھی راستہ نہ بچے۔ ان مسائل سے بچنے کے لیے ضروری تھا کہ عوام کے اندر ملک کی ترقی کا جذبہ پیدا ہو۔ ملک کی ترقی کے لیے سب سے زیادہ ضروری قومی یکجہتی اور حب الوطنی کا جذبہ تھا۔ ان دونوں چیزوں کو حاصل کرنے کے لیے ہر باشعور انسان نے اپنے اپنے طور پر کوششیں کی۔ انھیں لوگوں میں نازش پرتاپ گڑھی کا نام بھی آتا ہے۔ انھوں نے شاعری کے ذریعے اس کام کی ذمے داری اٹھائی۔

ہندستان ایک بڑا ملک ہے جس کی تاریخ صدیوں تک پھیلی ہوئی ہے۔ دنیا کی جتنی بھی اہم قدیم تہذیبیں ہیں ان میں ہندستانی تہذیب کا نام سرفہرست رہا ہے۔ اب جوں جوں وقت آگے بڑھتا جا رہا ہے اور تحقیق کا معیار پختہ ہوتا جا رہا ہے ہماری تہذیب کی تاریخ مزید پیچھے جا رہی ہے اور ماضی کے غاروں سے پردہ اٹھتا جا رہا ہے۔ یوں دن بہ دن ہماری تہذیب کا دامن پھیلتا جا رہا ہے۔ مگر عہد حاضر میں یہی تہذیب بری طرح سے مٹتی جا رہی ہے۔ ایک باشعور انسان کے لیے یہ بڑا فکر مند مسئلہ ہے۔ نازش کو ہندوستانی تہذیب سے بے پناہ محبت تھی۔ انھوں نے جہاں وطن کے تئیں اپنی محبت کا اظہار کیا وہیں ہندوستانی تہذیب کے بھی گیت گائے ہیں۔ ان کی بہت ساری نظمیں ہندستانی تہذیب کو موضوع بناتی ہیں۔ اسی سلسلے کے تحت ان کی نظم 'اپنی دھرتی اپنا دیش' منظر عام پر آئی۔ یہ نظم ان کے شعری مجموعے 'اپنی دھرتی اپنی بات' میں شامل ہے۔ یہ شعری مجموعہ 1975 میں شائع ہوا۔

اس نظم کی خاص بات یہ ہے کہ نازش پرتاپ گڑھی نے ہندوستانی تہذیب کو بنیاد بنا کر ہندستانی عوام کو بیدار کرنے کی کوشش کی ہے۔ شاعر کے نزدیک قدیم ہندوستانی تہذیب ایک ایسا خزانہ ہے جس کے ذریعے ہندستان کی ہر مصیبت کو ٹالا جا سکتا ہے۔ اس نظم میں انھوں نے قدیم ہندستانی تہذیب کی اہمیت کو یوں بیان کیا ہے۔ ایک شعر ملاحظہ ہو۔

کریدو ماضی کی راکھ اس میں شعور کا جام جم ملے گا
انھیں روایات کے خزانے سے تم کو زور قلم ملے گا

شاعر نے اسی تہذیب کی جگہ جگہ مثالیں دی ہیں اور ہر مثال کو جس طرح سے انھوں نے مصرعوں اور شعروں میں درج کیا ہے وہ نہایت ہی کمال ہے۔ اس نظم کا آغاز انھوں نے یوں کیا ہے۔

سخن ورو! تم کو فلک ہندوستان آواز دے رہا ہے
تمھارے سمٹے ہوئے تخیل کو حکم پرواز دے رہا ہے
تمھارے نغموں کے واسطے آج اک نیا ساز دے رہا ہے
تمھاری فکر سخن کی خاطر اک اور انداز دے رہا ہے

ہندستان کی خوبصورتی، تاریخ اور تہذیب کے متعلق ان کی نظم 'بھارت دیش ہمارا' بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ یہ تین بندوں پر مشتمل ایک چھوٹی سی نظم ہے مگر اس کے پس منظر اور پیش منظر میں پورا ہندستان نظر آتا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ شاعر نے ہندستان کی خوبصورتی، تاریخ اور تہذیب کے مختلف پہلوؤں کو مفصل بیان کیا ہے ہاں مگر

اشاروں سے قاری ان تمام پہلوؤں تک رسائی حاصل کر لیتا ہے جو ہندستان کو ہندستان بناتے ہیں۔اس نظم کا ایک بند ملاحظہ ہو۔

اس دھرتی پر کتنے ہی روپ کے، رنگ کے غنچے مہکے
اس گلشن میں ہر صورت ، ہر بولی کے طائر چہکے
اس ساز کے تاروں پر کیا جانے کتنے نغمے لہکے
اس مے خانے میں دیش دیش کے پینے والے بہکے
الفت کا حسیں گہوارہ ہے یہ بھارت دیش ہمارا ہے
عظمت کا اک منارا ہے یہ بھارت دیش ہمارا ہے

''نازش پرتاپ گڑھی حب الوطنی کے جذبے سے سرشار تھے ۔ انھیں جہاں اپنے وطن سے بے پناہ محبت تھی تو وہیں وطن کے مستقبل کے تئیں گہری فکر بھی رکھتے تھے۔ ان کی شاعری میں وطن کے مستقبل کی فکر بھی غالب نظر آتی ہے۔ وہ ایک ایسا معاشرہ چاہتے تھے جہاں وطن کو اولیت حاصل ہو اور اس معاشرے میں اتحاد اور امن کا جذبہ چاہتے تھے''

نازش پرتاپ گڑھی حب الوطنی کے جذبے سے سرشار تھے۔ انھیں جہاں اپنے وطن سے بے پناہ محبت تھی تو وہیں وطن کے مستقبل کے تئیں گہری فکر بھی رکھتے تھے۔ان کی شاعری میں وطن کے مستقبل کی فکر بھی غالب نظر آتی ہے۔وہ ایک ایسا معاشرہ چاہتے تھے جہاں وطن کو اولیت حاصل ہو اور اس معاشرے میں اتحاد اور امن کا جذبہ چاہتے تھے۔وہ ملک کے فن کاروں ،شاعروں اور گیت کاروں کے اندر وطن کی محبت کا جذبہ دیکھنا چاہتے ہیں تا کہ ان کی تخلیقات عوام کے اندر حب الوطنی کا جذبہ پیدا کرے اور ملک کا مستقبل روشن ہوجائے۔اس حوالے سے ان کی نظم 'اے نغمہ گرو،اے ہم سخنو!' بڑی اہم مانی جاتی ہے۔اس نظم میں نازش پرتاپ ایک ناصح کی طرح سامنے آتے ہیں۔نظم کا ایک بند ملاحظہ ہو۔

قلم سنبھالیں کہ یہ قلم اک عظیم امانت ہے زندگی کی
قلم سنبھالیں کہ یہ بڑی قیمتی وراثت ہے آدمی کی
قلم جو بہکا تو پھر بہک جائے گی کرن صبح آگہی کی
قلم جو ٹھہرا تو نامکمل رہے گی تاریخ روشنی کی
وطن کا ظلمت کدہ قلم سے تجلیٔ طور مانگتا ہے
ہمارا مستقبل آج ہم سے زبان منصور مانگتا ہے

قلم کاروں کے اندر حب الوطنی کا جذبہ اور وطن کے مستقبل کے تئیں فکر پیدا کرنے کے لیے ان کی ایک اور نظم بعنوان 'موسم گل کے سفیر' بھی کافی اہم ہے۔

نازش پرتاپ گڑھی ہوش سنبھالتے ہی تحریک آزادیٔ ہند سے وابستہ ہوگئے۔انھوں نے عملی طور پر اس تحریک میں حصہ لیا۔وہ گاندھی جی سے بے حد متاثر تھے۔گاندھی جی پر بے شمار شاعروں نے نظمیں لکھی ہیں۔اس حوالے سے نازش پرتاپ کی نظم 'باپو کی آواز' کو کافی شہرت ملی۔یہ نظم گاندھی جی کی وفات کے بعد لکھی گئی۔اس نظم میں گاندھی جی ہندستانی عوام کے بدلے ہوئے رویے پر اظہار افسوس کرتے ہیں۔آزادی کے بعد ہندستانی عوام اور حکومت نے گاندھی جی کے اصولوں کی کوئی قدر نہیں کی۔یہ اصول قانون کی کتابوں میں محفوظ تو ہوگئے مگر ان کو اپنایا نہیں گیا۔اسی وجہ سے تقسیم کے بعد بے شمار مسائل سر اٹھانے لگے۔شاعر نے گاندھی جی کے ذریعے ہی ان اصولوں کی پامالی کا شکوہ کیا ہے۔

نظم 'جاگ اے میرے وطن!' کے ذریعے نازش پرتاپ گڑھی نے ہندستانی عوام کو وطن کی اہمیت جتا کر بیدار کرنے کی کوشش کی ہے۔اسی طرح ان کی نظم 'ایک رہو' میں قومی یکجہتی کا مضمون ہے۔

مذکورہ نظموں کے علاوہ 'بھارت ماں کے لال'، 'قسم کھاتے ہیں ہم'، 'ہم ایک رہیں گے'، 'بھارتی ایک ہیں'، 'ہم بھارت کے رکھوالے ہیں'، 'یقین ہے مجھ کو'، 'جگاوا'، 'دیش کے نوجواں' وغیرہ حب الوطنی کے حوالے سے ان کی بہترین نظمیں ہیں۔من جملہ نازش پرتاپ گڑھی کی شاعری حب الوطنی کے جذبے سے لبریز ہے۔

❑❑❑

Mehar Nisa
Research Scholar, Dept. of Urdu
Baba Ghulam Shah Badshah University
Rajori-185234 (Jammu & Kashmir)

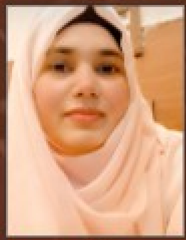

ہدیہ تبسم

واجدہ تبسم کا تخلیقی سفر

واجدہ تبسم کا نام خواتین تخلیق کاروں کے درمیان کافی اہمیت کا حامل ہے۔ان کی پیدائش 14 مارچ 1935 کو مہاراشٹر کے شہر امراوتی میں ہوئی۔گھر کا نام ملکہ تھا بھائی بہن انھیں پیار سے ملکی ،ملکو، ملی وغیرہ کہتے تھے،جبکہ والد نے واجدہ بیگم نام رکھا تھا۔ان کا تعلق سید خاندان سے تھا جہاں پردے کی سخت پابندی تھی،اس لیے ابتدائی تعلیم گھر پر ہی ہوئی۔تین سال کی عمر میں والد والدہ دونوں کا سایہ سر سے اُٹھ گیا تھا جس کی وجہ سے پرورش و پرداخت کی ذمے داری نانی جان نے سنبھالی۔1947 میں جب ملک تقسیم ہوا تو ان کا پورا خاندان امراوتی سے حیدرآباد منتقل ہوگیا۔آگے کی تعلیم انھوں نے حیدرآباد سے حاصل کی۔مالی مشکلات کے سبب واجدہ نے ایف اے اور بی اے کی تعلیم جامعہ عثمانیہ سے پرائیویٹ طور پر حاصل کی۔انھوں نے ناگ پور یونیورسٹی سے ایم اے اکنامکس کا امتحان اعزازی نمبروں سے پاس کیا۔ان کی شادی خاندان کے ہی ایک فرد اشفاق احمد سے ہوئی جن کے ساتھ وہ بمبئی منتقل ہوگئیں۔

واجدہ تبسم کو مطالعے کا شوق بچپن سے ہی تھا دو تین سو صفحوں کی کتاب گھنٹوں میں ختم کر دیتی تھیں۔آٹھ سال کی عمر میں واجدہ تبسم نے اپنی پہلی کہانی لکھی لیکن ظاہر ہے وہ کہانی فنی اعتبار سے خام درجے کی تھی۔لیکن اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ لکھنے کی صلاحیت ان کے اندر بچپن سے موجود تھی۔واجدہ تبسم نے اپنی ادبی زندگی کا آغاز 1955 میں ہفتہ وار رسالہ ’آئینہ‘ سے کیا جو دہلی سے شائع ہوتا تھا۔اس رسالے میں ’میری یادداشت سے‘ کے عنوان سے ایک کالم ہوتا تھا جس میں اپنی ذاتی زندگی سے متعلق کوئی ناقابل فراموش واقعہ لکھ کر بھیجنا ہوتا تھا۔واجدہ تبسم نے اپنے انٹر کے امتحان سے متعلق ایک واقعہ لکھ کر بھیج دیا جس نے انھیں اندر ہی اندر پریشان کر رکھا تھا۔چنانچہ وہ کالم قارئین کو بہت پسند آیا اور انھیں داد وتحسین حاصل ہوئی اس طرح واجدہ تبسم کے تخلیقی سفر کا سلسلہ شروع ہوا۔

واجدہ اپنے اندر پل رہے غموں اور دکھوں کو لفظوں کا رخ دے کر کہانی چھپنے کے لیے بھیج دیتیں۔ایسا کرنے سے انھیں ذہنی سکون ملتا تھا۔واجدہ تبسم نہایت حساس طبیعت کی مالک تھیں وہ اپنے ذاتی دکھوں اور پریشانیوں کے علاوہ لوگوں کی تکلیفوں اور مشکلات کو شدت سے محسوس کرتی تھیں اور انھیں اپنی کہانیوں میں پیش کرتی۔ابھی واجدہ تبسم کی چند کہانیاں ہی چھپی تھیں کہ خاندان میں تہلکہ مچ گیا،

رشتہ دار خلاف ہو گئے، طرح طرح کی باتیں کرنے لگے۔

’ارے واجدہ بیگم نے تو عصمت کو مات دے دی‘

’یہ افسانے کہیں شریف بہو بیٹیوں کے پڑھنے کے لائق ہیں‘ ’دیکھنا ایک دن باپ کی ناک کٹوا کے رہے گی‘ ’میری بیٹی ایسے افسانہ لکھتی تو اپنے ہاتھوں گلا گھونٹ دیتی‘1

واجدہ تبسم نے حالات کا ڈٹ کر مقابلہ کیا، لوگوں کے لعن طعن ان کے مضبوط ارادوں کو متزلزل نہ کر سکے۔ لہٰذا وہ ایک توانا ادیب کے طور پر سامنے آئیں۔ سماج میں موجود برائیوں کو جب واجدہ نے آئینہ دکھایا تو لوگ تڑپ اُٹھے، کیونکہ لوگوں کو اپنا اصلی چہرہ دیکھنے کی عادت نہیں تھی۔ اس لیے وہ ’عزت‘، ’غیرت‘ جیسے کھوکھلے الفاظ کا سہارا لینے لگے۔ ایک بار واجدہ سے ان کے کسی رشتہ دار نے کہا کہ بیٹا ہم تمھارے بھلے کے لیے ہی کہانیاں لکھنے سے منع کرتے ہیں تو انھوں نے یوں جواب دیا۔

’’کٹے گی تو میرے باپ کی ناک کٹے گی، آپ کا کیا بگڑے گا جب میرا باپ مرا تھا اور نانی اماں اکیلے رہ گئی تھیں، تب آپ کو ہمارے بھلے کی نہ سوجھی! اب ہم کسی قابل ہو گئے ہیں تو آپ کیوں اپنائیت جتانے آن پہنچی ہیں۔۔۔؟ جی آپ تو آپ ہیں۔ اگر قبر سے میرا باپ اُٹھ کر آ جائے تو بھی میں افسانے لکھنا نہیں چھوڑوں گی۔‘‘2

اس واقعہ کے بعد واجدہ تبسم خاندان اور معاشرے کی پرواہ کیے بغیر مسلسل لکھتی رہیں اور سماج کی سچائی کو بے نقاب کرتی رہیں۔ واجدہ تبسم کی بیشتر کہانیاں رسالہ شمع میں شائع ہوتی تھیں۔ شمع والے انھیں 2 ہزار روپیہ فی افسانہ بطور پیشگی دیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ واجدہ تبسم کی کہانیاں ’بیسوی صدی‘، ’داستان گو‘، ’ساقی‘، ’فنون‘، ’نقوش‘ وغیرہ میں وقتاً فوقتاً چھپتی رہیں۔ بہت جلد واجدہ تبسم کا شمار اس دور کے صف اول کے افسانہ نگاروں میں ہونے لگا۔ یہاں تک کہ اس دور کے رسالوں کے مدیر اپنے رسالوں کے لیے واجدہ سے کہانیاں لکھنے کی فرمائش کرتے۔ واجدہ تبسم کے قارئین کا ایک اچھا خاصہ حلقہ تھا جو ہر ماہ ان کی کہانیوں کا انتظار کرتا تھا۔ غرض کہ واجدہ تبسم بہت جلد شہرت کی بلندیوں پر پہنچ گئی۔ 1960 میں واجدہ تبسم کا پہلا افسانوی مجموعہ ’شہرِ ممنوع‘ شائع ہوا۔ اس مجموعہ میں کل اٹھارہ 18 افسانے شامل ہیں۔ اس کے بعد ان کے کئی افسانوی مجموعے اور ناول منظر عام پر آئے جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

’تہ خانہ‘ 1969 میں اسرار کریمی پریس سے شائع ہوا۔ اس میں کل اٹھارہ افسانے شامل ہیں۔

’آیا بسنت سکھی‘ 1974 میں اورینیز بک سینٹر بمبئی سے شائع ہوا۔ اس میں کل سترہ افسانے شامل ہیں۔

’نتھ کا بوجھ‘ 1977 میں اورینیز بک سینٹر بمبئی سے شائع ہوا۔ اس مجموعہ میں کل سترہ افسانے ہیں۔

’زخم دل اور مہک اور مہک‘ 1978 میں اورینیز بک سینٹر بمبئی سے شائع ہوا۔ اس میں واجدہ کے کل پندرہ افسانے شامل ہیں۔

’اُترن‘ 1977 میں منظر عام پر آیا یہ مجموعہ بھی اورینیز بک سینٹر نے ہی شائع کیا۔ اس مجموعہ میں کل پندرہ افسانے ہیں۔

’بند دروازے‘ 1979 میں اورینیز بک سینٹر بمبئی سے شائع ہوا۔ اس مجموعہ میں کل پچیس کہانیاں شامل ہیں۔ یہ ساری کہانیاں بچوں کی نفسیات کو ذہن میں رکھ کر تخلیق کی گئی ہیں۔

’جیسے دریا‘ کو بھی 1980 میں اورینیز بک سینٹر نے شائع کیا۔ اس مجموعہ میں کل سترہ افسانے شامل ہیں۔

’نتھ اُترائی‘ 1981 میں شمع بک ڈپو دہلی سے شائع ہوا۔ اس مجموعہ میں واجدہ تبسم کے کل چودہ افسانہ شامل ہیں۔ یہ تمام کہانیاں طوائفوں کی زندگی کو مدِنظر رکھ کر تخلیق کی گئی ہیں۔

’نتھ کا غرور‘ 1984 میں شمع بک ڈپو دہلی سے شائع ہوا۔ اس مجموعہ میں کل تیرہ افسانے شامل ہیں۔

مندرہ بالا مجموعوں کے علاوہ واجدہ تبسم کے کچھ مجموعے ایسے ہیں جو ان کی زندگی میں ان کی اجازت کے بغیر مختلف مدیروں نے شائع کیے ان پر واجدہ نالاں بھی ہوئیں۔ ان مجموعوں میں ایسی کہانیاں شامل ہیں جو پہلے کسی مجموعے یا رسالے میں شائع ہو چکی تھیں۔ ایسے مجموعوں کی تفصیل درج ذیل ہے۔

’درد کا چاند‘ 1966 کتاب نگر لاہور سے شائع ہوا۔

’توبہ توبہ‘ 1968 میں نیا ادارہ لاہور نے واجدہ کی مختلف

کہانیوں کو یکجا کر کے مجموعے کی شکل دے دی۔

'شعلے' (ناولٹ) 1969 میں واجدہ کے افسانوی مجموعہ 'آیا بسنت سکھی' میں چھپ چکا تھا لیکن بعد میں اسی نام سے رفعت پبلیشر پاکستان نے ان کی کچھ کہانیوں کو جمع کر کے شعلے کے نام سے شائع کیا۔

ناول 'کیسے کاٹوں رین اندھیری' 1976 میں رسالہ 'روبی' کے اڈیٹر نے شائع کیا۔اس مجموعہ کا واقعہ یوں ہے کہ واجدہ تبسم نے 1972 میں اپنی کتاب 'شیشوں کا محل' روبی والوں کو قسط وار شائع کرنے کے لیے دیا تھا لیکن بعد میں رسالے کے مدیر نے اپنے رسالے کی تشہیر کے لیے واجدہ کی اجازت کے بغیر اسے 'رین اندھیری' کے نام سے شائع کر دیا۔

'کیسے سمجھاؤں' 1977 میں بیسوی صدی بک ڈپو نے مجموعہ 'زخم دل اور مہک اور مہک' کے آٹھ افسانوں کو شامل کر کے مجموعہ کی شکل دے دی۔ بعد میں اسی نام سے رابعہ بک ہاؤس لاہور نے بھی 1977 میں اسے شائع کر دیا۔

'محبت' ستمبر 1973 میں رفعت پبلشرز نے لاہور سے شائع کیا۔

'روزی کا سوال' 1977 میں بیسوی صدی بک ڈپو نے واجدہ تبسم کے مختلف مجموعوں سے دس افسانوں کو جمع کر کے ایک نئے مجموعہ کی شکل دے دی۔

واجدہ تبسم نے افسانوں کے علاوہ شاعری کے میدان میں بھی طبع آزمائی کی ۔وہ باقاعدہ مشاعروں میں مدعو کی جاتیں اور شعر پڑھتی تھیں لیکن ان کا کلام اس پائے کا نہیں ہے کہ شعرا کی فہرست میں شامل کیا جاسکے ۔ان کی شاعری روایتی انداز کی ہے ۔چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

اب ہمیں شمعیں جلانے کی ضرورت نہ رہی
آپ کے ہونے سے محفل میں اجالا ہوگیا

آپ نے ہنستے ہوئے محفل میں جب رکھا قدم
ہم یہ سمجھے چاند خود چل کر زمیں پر آگیا

خدا نے چاند ستارے بھلا بنائے کیوں
کیا آپ کم ہیں زمانے میں روشنی کے لیے

افسانے ،ناولٹ اور شاعری کے علاوہ واجدہ تبسم نے ناول کے میدان میں بھی طبع آزمائی کی اور بہترین ناول اردو ادب کو دیے۔ ناول کی فہرست درج ذیل ہے۔

'نتھ کا زخم' ناول 1982 میں شمع بک ڈپو دہلی سے شائع ہوا۔

'نتھ کی عزت' اس ناول کو بھی شمع بک ڈپو نے 1983 میں شائع کیا۔

'زن زر زمین' اس ناول کا الگ نسخہ راقمہ کے پاس موجود نہیں ہے۔ یہ ناول الحمد پبلی کیشنز لاہور نے 2017 میں واجدہ کے ناولوں کو یکجا کر کے 'واجدہ تبسم کے چار ناول' کے نام سے شائع کیا۔راقمہ نے اس ناول کے بارے میں وہیں سے استفادہ کیا ہے۔

'کیسے کاٹوں رین اندھیری' واجدہ تبسم کے اس ناول کا بھی الگ نسخہ راقمہ کے پاس نہیں ہے۔اس کے لیے بھی مذکورہ بالا کتاب سے استفادہ کیا گیا ہے۔

واجدہ تبسم کے چاروں ناولوں میں مرکزی کردار عورت ہے جو معاشرہ کے ظلم کا شکار ہے اور اپنے طور پر اس ظلم سے آزادی کے لیے جدو جہد کر رہی ہے ۔ان کرداروں کو پریشانی میں ڈالنے والے ان کے اپنے شوہر، باپ ، بیٹا یا عاشق ہیں۔ان میں بیشتر کرداروں کا تعلق جاگیردارانہ گھرانے سے ہے۔ان گھرانوں کے مردا پنی عیاشی کی وجہ سے اپنے گھر، اپنی جائیداد اور اپنی عزت سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ان کے ناولوں کی عورت مشرقی تہذیب کی پروردہ ہے۔وہ کسی بھی حالت میں اپنی عزت ،نسوانی غرور اور انا سے سمجھوتہ نہیں کرتی ۔وہ مرد کی جی حضوری تو کرتی ہے لیکن جہاں اس کی عزت پر آنچ آتی ہے تو مرد کی استحصالی ذہنیت کے خلاف احتجاج کا رویہ اپناتی ہے۔

واجدہ تبسم کے افسانوں کے بارے میں بات کریں تو ان کی ابتدائی کہانیاں روایتی انداز کی ہیں جس میں حسن وعشق کا بیان ہے۔ لیکن 'اترن' کے بعد ان کی تحریروں میں ایک نئی فکر دکھائی دیتی ہے۔ واجدہ تبسم کی کہانیاں ہمارے مہذب معاشرے کے سچ کو بے نقاب کرتی ہیں۔ واجدہ تبسم نے اپنی کہانیوں میں حیدرآباد کے نوابی رہن

سہن اور اس کی تہذیب و ثقافت کے سیاہ پہلوؤں کو ہمارے سامنے لانے کی کوشش کی ہے۔جس میں وہ کافی حد تک کامیاب بھی نظر آتی ہیں۔زبیر رضوی واجدہ تبسم کی کہانیوں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

’جب واجدہ کا افسانہ ’اترن‘ شائع ہوا تو پڑھنے والوں میں کھلبلی مچ گئی۔

> اس طرز کی کہانیوں میں ’نتھ اترائی‘ ’’ذرا ہور اوپر‘ کہانی کے بعد واجدہ کی مقبولیت نے چاروں سمتیں گھیر لیں یا یوں کہیے واجدہ نے مقبولیت کے سارے راستے ایک ہی جست میں پار کر لیے۔گنگ کوٹھی نے حیدرآبادی معاشرے کے جس چال چلن کی آبیاری کی تھی،جن غلیظ اور بدبودار موریوں پر عطردان رکھے تھے ان کے بارے میں یہ جان کر لوگ حیران تھے کہ وہ سارے گٹر تھے۔واجدہ کے افسانوں نے ایک ایک کرکے اس معاشرے کی بداعمالیوں اور بدچلنوں پر پڑے گہرے دبیز پردے ہٹانے شروع کر دیے جس کے لیے خاصی جرأت درکار تھی۔‘ 3

واجدہ تبسم نے ایک طرف حیدرآبادی نوابین کی عیاشی کو بے نقاب کرنے کی جرأت کی تو دوسری طرف غریب و متوسط طبقے کی بے بسی کو بھی ظاہر کیا ہے۔ان کے اندر پل رہی گھٹن اور فرسٹیشن کو بھی آشکار کیا ہے۔اس کی زندہ مثال افسانہ ’اترن‘ ہے۔واجدہ تبسم کی تحریروں میں ہمیں اس عہد کا کرب دکھائی دیتا ہے۔ان کی کہانیوں کی عورت بہت کم حالات سے سمجھوتہ کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔واجدہ تبسم نے معاشرے کو ہمیشہ ایک عورت کی نظر سے دیکھا ہے۔اس لیے ان کی کہانیوں کا مرکزی کردار ہمیشہ عورت ہی ہوتی ہے۔ان کی نظر ہمیشہ ہمارے معاشرے کے دبے کچلے طبقے پر ہوتی ہے۔ان دبے کچلے طبقوں میں پہلا طبقہ عورتوں کا ہے۔خواہ اس عورت کا تعلق ازدواجی زندگی سے ہو یا بازاری زندگی سے، وہ ہر جگہ مصائب و مشکلات کا شکار ہے۔واجدہ تبسم اپنی اکثر کہانیوں کا تانا بانا مشترکہ خاندانی نظام میں پھنسی عورت سے بنتی ہیں۔اس عورت کا تعلق متوسط طبقہ سے لے کر سرمایہ دارانہ نظام تک ہے۔لیکن وہ عورت ہر جگہ جبر نا انصافی کا شکار ہے،لاکھ احتجاج و اختلاف کے باوجود وہ کردار شکست و ریخت کی تصویر نظر آتے ہیں۔ان کی حالت اتنی دگرگوں اس لیے ہے کیونکہ سماج میں رائج اصول وضوابط عورت کو مدِ نظر رکھ کر وضع نہیں کیے گئے ہیں۔دوسری اہم بات یہ بھی ہے کہ یہ اصول وضوابط مردوں نے ہی وضع کیے ہیں۔

واجدہ تبسم عورت کی نفسیات کے ساتھ ساتھ مردوں کی نفسیات سے بھی بخوبی واقف ہیں۔ان کی تخلیقات کے مطالعے سے ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی نظر سماج کے ہر طبقے اور ہر مسائل پر ہے۔وہ معاشرتی ناہمواریوں ،جنسی گھٹن،طبقاتی کشمکش ،شادی بیاہ کے مسائل،غم وخوشی کے حالات بہت شدت سے محسوس کرتی ہیں۔غرض کہ تمام مسائل پر ان کی نظر ہے۔وہ نہایت باریک بینی سے سماج کا مطالعہ کرتی ہیں۔ان سب کے باوجود ادب میں ان کی شناخت جنسی افسانہ نگار یا فحش افسانہ نگار کے طور پر کی جاتی ہے۔ڈاکٹر انور سدید واجدہ تبسم کے افسانوں پر تبصرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

> ’واجدہ تبسم نے بیشتر افسانے حیدرآباد میں جاگیردارانہ نظام کے انہدام سے تراشے۔لیکن واجدہ تبسم بہت جلد جنس اور جذبات کے دلدل میں پھنس گئیں ان کے ’نتھ سیریز‘ میں فنی لحاظ سے کچے اور مریضانہ اظہار کے افسانے شامل ہیں۔‘ 4

واجدہ تبسم کی تخلیقات کے مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات پورے وثوق سے کہہ سکتی ہوں کہ واجدہ کی تخلیقات کو صرف جنس تک محدود کرنا ان کے ساتھ ناانصافی ہوگی۔خواتین تخلیق کاروں کے ساتھ مرد نقادوں کا یہ رویہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔عصمت چغتائی ،رشید جہاں کے بارے میں بھی ایسے ہی تاثر تھے۔ایسا اس لیے کیونکہ ادب پر ایک مدت تک مرد تخلیق کاروں کی اجارہ داری تھی۔خواتین اگر لکھتی بھی تو اپنا نام مخفی رکھتی تھیں۔دراصل اس سماج کو اپنا اصلی چہرہ دیکھنے کی عادت نہیں ہے۔واجدہ تبسم کی تخلیقات تو وہی بیان کرتی ہیں جو ہمارے معاشرے کی سچائی ہے۔واجدہ تبسم کے فن پر بات کرتے ہوئے حقانی القاسمی لکھتے ہیں۔

> ’واجدہ تبسم نے مجبور اور مظلوم عورتوں کے لیے مقدمہ لڑا اس لیے مرد سماج کی خودساختہ عدالتوں میں وہ مجرم اور معتوب قرار پائیں کہ عورت صرف اطاعت کے لیے

پیدا ہوئی ہے، بغاوت کے لیے نہیں۔ مرد حاوی سماج کو شبستانِ بہار میں پھول بن کر مہکنے والی عورت چاہیے شبنم سے شعلہ بننے والی عورت نہیں۔ اور واجدہ سے یہی خطا ہوئی کہ وہ شعلہ فشاں بنتی گئی اور پردے کے پیچھے کے بیچ سے عوام کو روبرو کرا دیا اور ان عورتوں کا کرب اپنی تحریروں میں سمو دیا جو دل کی دہلیز تک تو پہنچ گئی تھیں مگر آگے داخلہ ان کے لیے ممنوع تھا۔'5

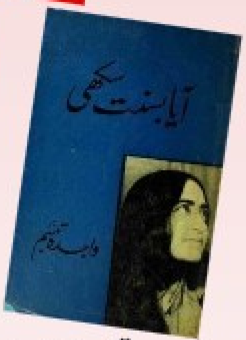

واجدہ تبسم کے کامیاب افسانوں میں 'طلاق'، 'زکوۃ'، 'پیش بدھی'، 'زرا ہور اوپر'، 'اترن'، 'نولکھا ہار'، 'محبت'، 'کالے بادل'، 'شہرِ ممنوع'، 'روزی کا سوال' وغیرہ ہیں۔ واجدہ تبسم کو عورت مرد کی نفسیات کے ساتھ بچوں کی نفسیات کا بھی بخوبی علم ہے۔ مجموعہ 'بند دروازے' اس کی عمدہ مثال ہے۔ واجدہ تبسم کی زبان صاف اور سادہ ہے۔ وہ اپنی کہانیوں میں جزئیات نگاری پر کافی دھیان دیتی ہیں۔ نہایت باریک بینی سے ماحول کا جائزہ لیتی ہیں۔ وہ کسی بھی منظر کو اس طرح پیش کرتی ہیں کہ اس کی تصویر آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔ واجدہ تبسم کے ناول 'کیسے کاٹوں رین اندھیری' سے ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔

'بڑے سے صحن میں سُرخ رنگ کی چاندنی بچھی ہوئی تھی۔ اس کے حاشیوں پر پھولوں کی ننھی بوٹیاں سجائی گئی تھیں۔ بیچوں بیچ ایک چاندی کی چوکی تھی چوکی پر سے ہو کر سمدھن کو گذرنا تھا۔ اس کے لیے چار کنواری لڑکیاں چھت گیری پکڑے کھڑی تھیں اور پاس ہی دلہن کی خالہ پھولوں کی چھڑیاں لیے سمدھنوں کی تواضع کرنے کھڑی تھیں۔'6

اس مختصر تحریر سے واجدہ تبسم کے تخلیقی سفر کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ 7 دسمبر 2011 کو یہ مایہ ناز ادیبہ اردو دنیا سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہوگئی، مگر ان کی تخلیقات آج بھی ہمارے لیے مشعل راہ ہیں، جن سے غور و فکر کے نئے گوشے وا ہو رہے ہیں۔

حواشی

1 واجدہ تبسم مجموعہ 'تہہ خانہ' ص 32، تابع اسرار کریمی پریس، ناشر واجدہ تبسم سن اشاعت 1968

2 واجدہ تبسم مجموعہ 'تہہ خانہ' ص 37، تابع اسرار کریمی پریس، ناشر واجدہ تبسم سن اشاعت 1968

3 مسرور صغریٰ (مرتبہ) واجدہ تبسم از کار وافکار، ص 27، عرشیہ پبلی کیشنز دہلی 95، سن اشاعت 2014

4 ڈاکٹر انور سدید، اردو ادب کی مختصر تاریخ، ص 556، عزیز بک ڈپو لاہور، طبع سوم 1998

5 مسرور صغریٰ (مرتبہ) واجدہ تبسم از کار وافکار، ص 48، عرشیہ پبلی کیشنز دہلی 95، سن اشاعت 2014

6 واجدہ تبسم، واجدہ تبسم کے چار ناول، ص 305، الحمد پبلی کیشنز لاہور، سن اشاعت 2017

□□□

Hadiya Tabassum
Flat No 507, Victory Heights
Opposite Rose Garden
Anoop Shaher Road
Aligarh-202002 (U.P)
E-mail:hadiya.tabbassum@gmail.com

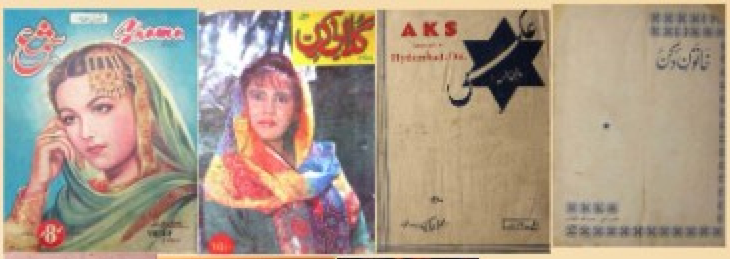

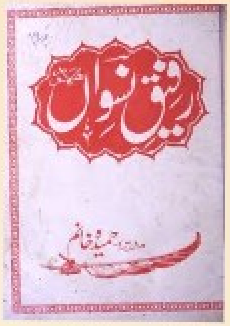

وضاحت حسین رضوی

اردو صحافت کی ترویج میں خواتین کی خدمات

اردو صحافت پر جب بھی گفتگو ہوتی ہے یا جائزہ لیا جاتا ہے تو ان خواتین صحافیوں نیز مدیران کو یا تو نظر انداز کر دیا جاتا ہے یا ان کی خدمات پر بحث کرنا ضروری نہیں سمجھا جاتا ہے۔ جبکہ خواتین صحافیوں نے اردو صحافت کی آبیاری میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اپنی تحریروں کے ذریعے مستورات کو تعلیم کی طرف متوجہ ہی نہیں کیا بلکہ ان کے مسائل کو بڑی دلیری سے اٹھایا۔

یوں تو خواتین کی تعلیم و تربیت کے لیے سب سے پہلے ڈپٹی نذیر احمد نے اپنے ناولوں کے ذریعے مستحسن کوشش کی یا یوں کہا جائے کہ تانیثی نقطۂ نظر کی شروعات کی اور آج بھی انھیں کے خطوط پر کام کیا جا رہا ہے۔ پھر عبدالحلیم شرر، راشد الخیری وغیرہ نے اس مشن کو آگے بڑھایا۔ خواتین کے اندر خود اعتمادی اور سماج و معاشرے فرسودہ رسم و رواج کے خلاف آواز اٹھانے کا جذبہ پیدا کیا۔ ظاہر ہے جب تک خواتین تعلیم یافتہ نہیں ہوں گی اور ان کے ذہنی شعور میں بیداری نہیں آئے گی۔ خواتین میں تعلیمی بیداری پیدا کرنے کے لیے سب سے پہلے انھیں مدرسوں اور اسکولوں سے وابستہ کرنے اور سماج کی فرسودہ رسومات سے نکالنے کے لیے تحریک چلائی گئی۔ اسکول اور مدرسوں کا قیام عمل میں آیا۔ لڑکیاں اسکول اور بورڈنگ میں داخلہ لینے لگیں اور آہستہ آہستہ مخالفت کے باوجود اپنی الگ راہ نکال لی۔

تعلیم اور خواتین کے دوسرے مسائل کو ملحوظ رکھتے ہوئے جن دانشوروں نے اہم کارنامہ انجام دیا ان میں جسٹس امیر علی، سید محمود، پروفیسر کرامت حسین، مولانا حالی، شیخ عبداللہ علی گڑھ وغیرہ کی خدمات کو کبھی بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ ان دانشوروں کی محنت اور جدوجہد کا اثر یہ ہوا کہ اس عہد کی تعلیم یافتہ خواتین نے ان کے ساتھ مل کر اس مہم میں بڑی جدوجہد کی۔ خواتین کے لیے چلائی گئی تعلیمی تحریکات میں خصوصی طور پر سلطان جہاں بیگم عرف بیگم بھوپال، وحید جہاں بیگم عبداللہ، نظر سجاد ظہیر، آبرو بیگم، زاہدہ خاتون، محمدی بیگم، گینی آرا بیگم، بیگم نفیس دلہن کے نام اہمیت رکھتے ہیں۔ ان خواتین کی مدد سے لڑکیوں کے لیے اسکول، مدرسہ بورڈنگ کا قیام عمل میں آیا۔ پردے میں رہ کر تعلیم حاصل کرنے کا چلن عام ہوا۔ خواتین کی تعلیم اور اصلاح نیز ان کو اپنے حقوق کے لیے نبرد آزما ہونے کی طاقت فراہم کی گئی۔ ان خواتین کی تحریک سے جو مردوں کے ذریعے چلائی گئی آہستہ آہستہ علم و ادب کا ایسا ماحول استوار ہو گیا کہ خواتین اپنے مسائل اور اپنے بنیادی حقوق کی لڑائی خود لڑنے لگیں۔ خواتین قلمکاروں نے اپنے افسانے، ناول اور دوسری نسائی کتابوں کے ذریعے ان کے

ذہن وشعور کو بیدار کیا جس کے باعث ان کی فکری بصیرت اور صلاحیت میں اضافہ ہوا۔

ظاہر ہے جب اردو ادب میں اس طرح کی تخلیقات اور تصانیف کا اضافہ ہوا تو اردو رسائل اور اخبارات میں بھی ان کے مضامین اور تخلیقات شائع ہونے لگیں۔ اس مقصد کو بروئے کار لانے میں رسالوں اور جریدوں نے اہم رول ادا کیے۔ ان ترقی پسند مرد ادیبوں کا بھی بڑا ہاتھ رہا جنھوں نے خواتین کی تعلیم وتربیت اور ان کے روشن مستقبل کو سنوارنے کے لیے اور خواتین کے مسائل پر مبنی رسائل کی اشاعت کے لیے راہ ہموار کی۔

"خواتین رسائل میں لکھنؤ کے 'رفیق نسواں' کو اولیت حاصل ہے۔ اس کی مدیر مسز ہیڈلیو نے اسے 1884 میں شروع کیا۔ عیسائی مشنری کے ذریعے یہ رسالہ شائع کیا گیا تھا۔ اس رسالے میں اس بات پر زور دیا گیا تھا کہ جو لڑکیاں یا خواتین غیر تعلیم یافتہ ہیں انھیں تعلیم یافتہ خواتین پڑھ کر سنائیں تاکہ ان میں تعلیمی بیداری کا جذبہ پیدا ہو سکے۔ 1884 میں ہی سید احمد دہلوی نے سہ ماہی جریدہ 'اخبار النسا' شائع کیا اس میں بھی مستورات کی تعلیم اور ان کی ترقی سے متعلق مضامین ہوتے تھے۔ اس رسالے کی بڑی مخالفت ہوئی مگر سید صاحب اپنے مقصد کی تکمیل کے لیے مسلسل جدوجہد کرتے رہے۔ اردو کے مشہور اخبار 'پیسہ' کے ایڈیٹر منشی محبوب عالم نے لاہور سے 1893 میں 'شریف بیٹیاں' کے نام سے ایک رسالہ جاری کیا اس کا مقصد تھا کہ مستقبل قریب میں قوم کی لڑکیاں تعلیم یافتہ ہوں اور اپنے حقوق کو بخوبی سمجھتی ہوں۔ یہ رسالہ مجموعی طور پر خواتین کے تعلیمی، تہذیبی سماجی حالات کو بہتر بنانے کے لیے جاری کیا گیا تھا۔"

جمیل اختر نے خواتین صحافت پر 'اردو میں جرائد نسواں کی تاریخ' عنوان سے دو جلدوں میں تحقیقی کتاب شائع کی ہے۔ اس میں تقریباً 250 خواتین جرائد و رسائل سے متعلق معلومات فراہم کی گئی ہے۔ ان رسائل کے نام تو خواتین کے ہیں لیکن بہت کم ہی ایسے رسائل ہیں جس کی ایڈیٹر خواتین ہیں۔ خواتین کے مسائل پر مرکوز رسائل وجرائد کا جائزہ لیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ شروعاتی دور میں مضامین صرف اور صرف خواتین کی تعلیم وتربیت، اصلاح اور ترقی نسواں سے متعلق ہی شائع ہوتے تھے۔ آہستہ آہستہ ان رسائل میں خواتین مختلف مسائل داخلی وخارجی خواہشات وکیفیات، پردے اور بے جا مذہبی وسماجی رسم ورواج اور دوسرے مسائل کو بڑی بے باکی اور دلیری کے ساتھ لکھنے لگیں۔ یہاں صرف انھیں رسائل کا ذکر مقصود ہے جو اردو صحافت کی تاریخ میں اہمیت کے حامل ہیں۔

خواتین رسائل میں لکھنؤ کے 'رفیق نسواں' کو اولیت حاصل ہے۔ اس کی مدیر مسز ہیڈلیو نے اسے 1884 میں شروع کیا۔ عیسائی مشنری کے ذریعے یہ رسالہ شائع کیا گیا تھا۔ اس رسالے میں اس بات پر زور دیا گیا تھا کہ جو لڑکیاں یا خواتین غیر تعلیم یافتہ ہیں انھیں تعلیم یافتہ خواتین پڑھ کر سنائیں تاکہ ان میں تعلیمی بیداری کا جذبہ پیدا ہو سکے۔ 1884 میں ہی سید احمد دہلوی نے سہ ماہی جریدہ 'اخبار النسا' شائع کیا اس میں بھی مستورات کی تعلیم اور ان کی ترقی سے متعلق مضامین ہوتے تھے۔ اس رسالے کی بڑی مخالفت ہوئی مگر سید صاحب اپنے مقصد کی تکمیل کے لیے مسلسل جدوجہد کرتے رہے۔ اردو کے مشہور اخبار 'پیسہ' کے ایڈیٹر منشی محبوب عالم نے لاہور سے 1893 میں 'شریف بیٹیاں' کے نام سے ایک رسالہ جاری کیا اس کا مقصد تھا کہ مستقبل قریب میں قوم کی لڑکیاں تعلیم یافتہ ہوں اور اپنے حقوق کو بخوبی سمجھتی ہوں۔ یہ رسالہ مجموعی طور پر خواتین کے تعلیمی، تہذیبی سماجی حالات کو بہتر بنانے کے لیے جاری کیا گیا تھا۔ لاہور سے ہی شائع ہونے والا اخبار 'تہذیب نسواں' ہندوستان کا پہلا 'خواتین ہفت روزہ' تھا۔ اس کا اجرا 1898 میں ہوا۔ مولوی ممتاز علی کی شریک حیات محمدی بیگم کی ادارت میں یہ ہفت روزہ شائع ہوا۔ یہ وہی محمدی بیگم ہیں جو نعمت خانہ، رفیق عروس اور سگھڑ بہوں جیسی کتابوں کی مصنفہ تھیں۔ انھوں نے ایک رسالہ 'شیر مادر' کی بھی ادارت کی۔ مولوی ممتاز علی کا شمار ان اہم دانشوروں میں کیا جاتا ہے جو تعلیم نسواں

کے زبردست حامی تھے۔

بقول حقانی القاسمی:

''مولوی ممتاز علی حقوق نسواں کے علمبردار تھے انھوں نے حقوق نسواں پر ایک اہم کتاب تحریر کی تھی جس کی وجہ سے انھیں ہندوستان کا پہلا فیمنسٹ بھی کہا جاتا تھا۔سردار محمدی بیگم انھیں نسوانی بیڑے کا ناخدا تو کسی نے خضر نسواں بھی کہا ہے۔''

(اردو صحافت کے ادبی،نسائی اور اطفالی رنگ،عرشیہ پبلی کیشنز،نئی دہلی)

اس رسالے نے بہت ساری خواتین تخلیق کاروں کو پیدا کیا۔ ان میں نذر سجاد حیدر، حجاب امتیاز علی، سلطانہ آصف فیضی، صفرا ہمایوں مرزا کے نام خصوصی طور پر لیے جاسکتے ہیں۔ اس رسالے نے نسائی صحافت کی ایک راہ ہموار کی۔

خواتین صحافت کی ترویج میں علی گڑھ کے شیخ عبد اللہ اور ان کی بیوی وحید بیگم رشید جہاں کے والدین کی ادارت میں علی گڑھ میں ماہنامہ'خاتون' کا اجرا1898 میں ہوا۔اس رسالہ میں خواتین کی تعلیم اور ان سے متعلق مختلف مضامین شائع ہوئے تھے۔اسی طرح راشد الخیری کی ادارت میں ماہنامہ عصمت، شائع ہوا۔خواتین کی تعلیم کے زبردست حامی مولوی محب حسین نے حیدر آباد سے 'معلم نسواں' جاری کیا۔مولوی محب حسین کا یہ رسالہ جاری کرنے کا مقصد تھا کہ مسلمان عورتوں کی موجودہ پست اور ذلیل حالت دور ہو اور علم وتعلیم کی روشنی پھیلے۔

حیدر آباد سے صفرا ہمایوں نے انجمن خواتین دکن کی جانب سے ایک ماہنامہ النساشائع کیا۔ اس کا بھی مقصد خواتین بالخصوص لڑکیوں کی فکر میں تبدیلی لانا تھا۔صفرا ہمایوں نے'زیب النسا'نام کا ایک رسالہ لاہور سے بھی شائع کیا جس کے ذریعہ یہ پیغام عام کیا کہ خواتین اپنے حقوق اور اپنی ترقی کا خیال خود کریں اس بات کو خصوصی طور پر نمایاں کیا گیا کہ اپنی شادی اس مرد سے ہرگز نہ کریں جو کئی بچوں کا باپ ہو۔ اس رسالہ میں اہم خواتین قلمکاروں کے مضامین شائع ہوتے تھے۔مشہور ناول نگار عبدالحلیم شرر نے بھی 'پردہ عصمت' نام کا ایک جریدہ جاری کیا جس میں خواتین کی تعلیم اور غیر شرعی پردے سے متعلق مضامین خصوصی طور پر شائع ہوتے تھے۔ اس رسالے کی مخالفت میں بھی بہت کچھ لکھا گیا۔

لاہور امرتسر سے 'سہیلی' نام کا رسالہ شائع ہوا۔اس رسالہ کے ادارتی بورڈ میں نوشابہ خاتون قریشی امروہوی، زہرہ بتول، رضیہ خاتون، ام ابنات، رقیہ بیگم جیسی تعلیم یافتہ قلمکار شامل تھیں۔اس رسالے کے مضامین معیاری، پراثر اور پر معنی ہوتے تھے۔اس میں مستورات سے متعلق وہ سارے مواد ہوتے تھے جو ان کی مذہبی فکر میں اضافہ کرنے کے ساتھ سماجی، سیاسی، تعلیمی، تفریحی اور امور خانہ داری پر منحصر ہوتے تھے۔یہ رسالہ خواتین میں بہت مقبول رہا۔بقول حقانی القاسمی:

''یہ واقعی مکمل زنانہ رسالہ تھا جو عورتوں کو مختلف سطح پر بیدار کرنے کا فریضہ انجام دے رہا تھا اس کے قلمکاروں میں مرد وزن بھی شامل تھے۔اس میں بہت سی ایسی خواتین کے نام ملتے ہیں جن کا ذکر کسی بھی تذکرے میں نہیں ملتا۔ گوہر میرٹھی، خدیجہ الکبریٰ، ممتاز، رفیع بیگم، رقیہ انصاری بر جیس اکرام، صفیہ بیگم، قمر عنایت احمدی بیگم، شوکت بلقیس۔ وحید النسا،بلقیس جمال بریلوی، طاہرہ بیگم لکھنوی۔ اس مجلے میں جہاں بہت سے کالم مفید ہوتے تھے وہیں تذکرہ خواتین کے عنوان سے ایک کالم ہوا کرتا تھا جس میں بائی ادے پوری، سمیہ سہ جمال ترپاٹھی، مریم زمان، گلبدن بیگم، قرۃ العین طاہرہ، حرفہ بنت نعمانی، حانی بیگم، فاطمہ خانم، شانتی کماری اور دیگر خواتین پر مضامین شائع ہوئے تھے۔''

(اردو صحافت کے ادبی،نسائی اور اطفالی رنگ،عرشیہ پبلی کیشنز،نئی دہلی)

بھوپال ہی سے 'امہات' نام کا ایک خواتین رسالہ شائع ہوتا تھا۔اس کی مدیر قمر النسا تھیں۔اس رسالہ کے مندرجہ ذیل اغراض ومقاصد تھے۔1۔تعلیم نسواں کی ترویج واشاعت 2۔خواتین میں علمی وادبی ذوق پیدا کرنا 3۔مضر رسومات کا انسداد 4۔خواتین کے معاشرتی، شہری اور ملکی حقوق کا تحفظ 5۔ اصول سیاست عامہ سے خواتین کو روشناس کرانا 6۔ نظام معیشت اور طریقہ خانہ داری میں مناسب اصلاح 7۔ ماؤں اور بچوں کی صحت وزندگی کا تحفظ 8۔قومی مجالس کی تنظیم

کی ضرورت کا احساس پیدا کرانا 9۔ گھریلو صنعتوں کی ترویج وترقی 10۔ اصول کفایت شعاری اور امداد باہمی کی ترویج 11۔ مفید نسوانی تحریکات کی حمایت۔

اردو صحافت کی ترویج میں مندرجہ بالا اہم خواتین رسائل و جرائد نے مسلم عورتوں کے ذہن وشعور اور فکر کی بیداری میں اہم کردار ادا کیا۔جس کی وجہ سے وہ سماج کے اجتماعی دھارے میں شامل ہونے لگیں۔ان اہم رسائل کے علاوہ بڑی تعداد میں خواتین رسائل ملک کے مختلف علاقوں سے شائع ہوئے۔اس ضمن ماہنامہ 'رضوان' لکھنؤ، ماہنامہ 'افشاں'، بھوپال 'رہبر' ممبئی، ماہنامہ 'خوشبو گلشن خواتین' 'صدائے نسا' مالے گاؤں وغیرہ کے نام لیے جاسکتے ہیں۔

وقت کی رفتار کے ساتھ ہی ساتھ خواتین ڈائجسٹ کا بھی چلن عام ہوا جو صرف خواتین کی تفریح کے لیے شائع ہوتی تھیں۔ان میں افسانے نظمیں، غزلیں، طنز ومزاح اور امور خانہ داری سے مذاق مضامین وتخلیقات شامل ہوتی تھیں ان رسالوں میں پاکیزہ آنچل، ہمایو، مشرقی آنچل کا نام خصوصیت سے لیا جاسکتا ہے۔

اس سچائی سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ آج جو خواتین صحافی اردو میں ملتی ہیں یہ ان تعلیمی تحریکات اور اس دور میں شائع ہونے والے رسائل وجریدے کا ہی ثمرہ ہے جو خواتین کی تعلیم وترقی اور ان کے ذہن وفکر میں تبدیلی لانے کے لیے شروع کیے گئے تھے۔

نسائی صحافت پر ترقی پسند تحریک کے اثرات بھی نمایاں ہوئے۔رشید جہاں شیخ عبداللہ علی گڑھ کی دختر نے اپنے افسانوں اور مضامین کے ذریعے خواتین میں نیا شعور اور بیداری پیدا کی۔یہی وجہ ہے کہ ترقی پسند تحریک سے وابستہ قلمکاروں نے اپنے قلمی تعاون سے ان رسائل کو ایک جلا بخشی۔رشید جہاں نے بھی خواتین کے مختلف داخلی وخارجی مسائل اور ان کے درد وکرب کو اجاگر کرنے کے مقصد سے 1937 میں 'جنگاری' نام سے ایک سیاسی ماہنامہ شروع کیا۔

حصول آزادی اور تقسیم کے المیہ کے نتیجے میں سیاسی اور سماجی منظر نامے میں بڑی تبدیلیاں رونماں ہوئیں۔اخبار اور رسائل بھی منقسم ہوگئے۔لیکن ان حالات کے باوجود ہندوستان کے خواتین رسائل نے بڑی ترقی کی۔حصول آزادی کے بعد خواتین سماج اور قوم کے ہر شعبے میں اپنی اپنی ذہنی وفکری صلاحیت کی بنا پر آگے بڑھیں۔ ترقی پسند تحریک نے اس میں بڑا رول ادا کیا۔نئے حالات، نئے مسائل کے ساتھ ہی ساتھ خواتین رسائل کی شکل وصورت میں بھی تبدیلی آئی۔آزادی کے بعد بہت سارے رسائل جو پہلے سے شائع ہو رہے تھے، وہ جاری رہے لیکن بعد میں جو خواتین رسائل شائع ہوئے ان کی ایک طویل فہرست ہے۔

آزادی کے بعد شائع ہونے والے رسائل میں ماحول 1951 دہلی، ایڈیٹر حمیدہ سلطانہ، عکس 1952 حیدرآباد، ایڈیٹر محمود یاسمین، دہلی 1953 کولکاتا، رضوان 1956 لکھنؤ، ایڈیٹر محمد ثانی حسنی، ذاکر 1958 بنگلور ایڈیٹر سیدہ ذکرہ بتول، 'صبح' 1961 دہلی، ایڈیٹر حمیدہ سلطان، خاتون دکن 1962 حیدرآباد، ایڈیٹر صالحہ الطاف قلمکار 1963 حیدر آباد۔ایڈیٹر حمیدہ بیگم، جمیلہ 1964 دہلی ایڈیٹر جمیلہ خاتون، جہاں آرا 1964 کولکاتا ایڈیٹر ناظر الحسینی، زیور 1967 پٹنہ ایڈیٹر رضوان احمد، ریاض نسواں 1968 رامپور ایڈیٹر جیب بتول 1963 رامپور ایڈیٹر طلعت سلیم، گلبن 1977 احمد آباد ایڈیٹر ثریا ہاشمی، گلابی کرن 1984 دہلی، ایڈیٹر دانش دیال مہتا، آنگن 1985 دہلی، ایڈیٹر شمع افروز زیدی، پاکیزہ آنچل 1985 دہلی، ایڈیٹر شاہدہ صدیقی، مشرقی آنچل 1988 دہلی ایڈیٹرس زرینہ صدیقی پاک دامن 1988 دہلی ایڈیٹر سرور صدیقی، بازی 1989 دہلی ایڈیٹر وحیدا بیگم، سہ ماہی زینت 1989 بارابنکی ایڈیٹر زریہ صدیقی نکہت گل 1993 دہلی، ایڈیٹر شاہدہ نعیم، بزم ادب 1998 علی گڑھ ایڈیٹر شہلا رباب، محفل خواتین 2000 حیدرآباد ایڈیٹر عزیز النسا تحفہ خواتین 2000 مرادآباد ایڈیٹر غزالہ اختر شمسی، شریک حیات 2002 دیوبند ایڈیٹر ناہید خاتون، ناہید 2004 ممبئی، نقوش صالحات 2005 بنگلور، مہک ڈائجسٹ 2007 ممبئی، ایڈیٹر تسمینہ احمد، مسلم خاتون 2008 کوکن مہاراشٹر یہ ایڈیٹر فہمیدہ، فن المومنات 2010 لکھنؤ، ایڈیٹر نجیب الحسن صدیقی ندوی، شالنامہ، میراث 2012 ایڈیٹر شائستہ یوسف وغیرہ بہت اہم رسائل ہیں۔

ان میں زیادہ تر رسائل بند ہوگئے اور کچھ رسائل آج بھی شائع ہو رہے ہیں۔جیسا کہ پہلے بھی کہا جاچکا ہے کہ ان خواتین رسائل میں بہت سے ایسے رسائل ہیں جو خواتین رسائل ہونے کے باوجود بھی مرد

ایڈیٹر کے تحت نکل رہے ہیں۔ان میں کچھ ہی رسائل ہیں جن کی ایڈیٹر خواتین ہیں۔آیئے کچھ اہم رسائل سے متعلق روشنی ڈالی دی جائے۔

دہلی سے دو ماہی رسالہ 'ماحول' کافی مقبول ہوا۔ یہ رسالہ حمیدہ سلطان اور ظفر ادیب کی ادارت میں شائع ہوا۔'ماحول' دراصل ترقی پسند فکر کا ترجمان ہے۔اس میں زیادہ تر ترقی پسند تحریک سے وابستہ قلمکاروں کے مضامین شائع ہوتے تھے۔ادبی رسائل میں دو ماہی 'ماحول' کا اہم مقام رہا۔اس طرح 'صبح' رسالہ کی اہمیت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا۔'خاتون دکن' 1993 میں صالحہ الطاف کی ادارت میں جاری ہوا۔یہ تعلیمی وادبی مزاج کا رسالہ تھا۔اس میں جو مضامین شائع ہوتے تھے وہ ادبی موضوعات کے ساتھ ساتھ سماجی وسیاسی اور معاشی مسائل پر بھی مشتمل ہوتے تھے۔

اس رسالے میں ترقی پسند مصنفین کے ساتھ ہی دوسری خواتین قلمکار بھی لکھتی تھیں جن میں قرۃ العین حیدر، سیدہ جعفر اور خدیجہ۔ صبا جائسی، عرض سہوال ، بانو نکہت، سعید سلمان شاکر، شاہدہ سنبل، رضیہ نکہت، سیدہ محسنہ، اختر نکہت، صہبہ سعید، طاہرہ صدیقی اور سلمٰی سعادت وغیرہ ہیں۔ان خواتین قلمکاروں نے رسالے کو ایک نیا مزاج اور نیا آہنگ عطا کیا۔

پٹنہ سے شائع ہونے والے رسالے 'زیور' نے خواتین میں احساس ذمے داری پیدا کی۔ان میں اپنے فرائض کی عمل آوری اور مسائل سے خود نبرد آزما ہونے کا جذبہ پیدا کیا۔

ماہنامہ 'گلبن' احمد آباد سے ثریا ہاشمی کی ادارت میں شائع ہو رہا تھا۔اس میں مرد وعورت سبھی کی تخلیقات شائع ہو رہی تھی ۔ یہ ایک ادبی رسالہ ہے جو اب لکھنؤ سے شائع ہو رہا ہے۔رسالہ 'خاتون مشرق' آزادی سے پہلے سے شائع ہو رہا ہے۔اس کی شکل وصورت اور نوعیت میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔کئی مدیر آئے اور ان کے بعد چشمہ فاروقی نے اس کی ادارت کی ذمہ داری سنبھالی بعض وجوہات کی بنا پر ادھر کئی برسوں سے اس کی اشاعت بند ہے۔اس کے علاوہ 'گلابی کرن'، 'مشرقی آنچل'، 'پاکیزہ آنچل'، 'مشرقی دلہن'، 'بتول' جیسے رسائل وڈائجسٹ شائع ہو رہے ہیں۔ان کا مقصد بھی خواتین میں تعلیمی دلچسپی پیدا کرنا، ان کے فکر وشعور کو بیدار کرنا، خواتین کی پوشیدہ صلاحیتوں اور خصوصیات کو اجاگر کرنا، گھریلو انتظامات اور بچوں کی پرورش ان کی تعلیم سے متعلق شعور بیدار کرنا وغیرہ ہے

آخر میں دو رسائل سے متعلق چند باتیں کہنا ضروری سمجھتا ہوں ۔ پہلا رسالہ 'بزم ادب' علی گڑھ ، یہ بزم ادب خواتین کا سالانہ رسالہ ہے ۔ یہ راشدہ خلیل کی ادارت میں شائع ہوتا ہے۔اس سے رسالے کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں صرف اور صرف خواتین کے مضامین وتخلیقات شائع کی جاتی ہیں۔

اس طرح حیدر آباد سے 'محل خواتین' رسالہ کا مقصد خواتین کے تعلیمی اور ادبی ذوق وشوق کو آگے بڑھانا ہے تاکہ خواتین اچھی قلمکار بننے کے ساتھ ہی زندگی کے مختلف شعبوں میں کامیابی کے ساتھ اپنی نمائندگی کر سکیں۔بنگلور سے شائع ہونے والے رسالہ 'میراث' کا مقصد بھی خواتین کی تعلیمی سطح کو سدھار نے انھیں اپنے حقوق کے لیے بیدار کرنے اور سماج میں ان کے ساتھ ہونے والی بے انصافیوں اور استحصال کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنا ہے۔

آج کے اس دور میں خواتین رسائل نہ کے برابر ہی نکل رہے ہیں۔لیکن خواتین صحافیوں نے خواتین کے مختلف مسائل اور ان سے متعلق موضوعات پر بڑی بیباکی سے لکھا ہے۔بہت سی خواتین پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا سے وابستہ ہیں ان میں جیلانی بانو، اختر جہاں، ثریا ہاشمی ، سلطانہ حجاب، خالدہ بلگرامی ، سعدیہ دہلوی ، نور جہاں ثروت، فرحت رضوی ، شیریں دلوی ، عالیہ ناز ، آسیہ تحسین، وسیم راشد، صبیحہ ناہید، چشمہ فاروقی، تسنیم کوثر، شہلا نواب، غزالہ صدیقی، رضیہ حامد، ریتا منور، زیب النسا، نرگس سلطانہ، جہاں آرا، رضیہ نعیم ہاشمی، سفینہ عرافات، نوشین نسیم سلطانہ، ناز خاں وغیرہ کے نام خصوصی طور پر لیے جاسکتے ہیں۔

□□□

Dr. Wazahat Hussain Rizvi
(Former Editor Naya Daur)
366/006/613
Golden City, Campbell Road
Kishore Ganj
Lucknow-226003(U.P)

اردو صحافت میں نسائی وجود

چیلنجز اور کامیابیاں

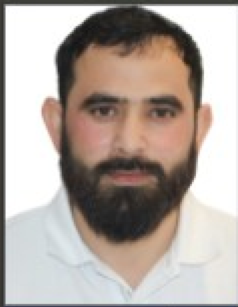

ظہیر عباس

صحافت ایک بین الموضوعاتی، بین العلومی انٹرڈسپلنری اور تقاطعی انٹرسیکشنل شعبہ ہے جو مختلف علمی و عملی شعبوں کے امتزاج سے تشکیل پاتا ہے۔ یہ محض خبروں اور معلومات کی ترسیل کا وسیلہ نہیں بلکہ ایک فکری اور سماجی عمل بھی ہے جو سماجیات، سیاسیات، ابلاغیات، ٹیکنالوجی اور اخلاقیات جیسے متنوع موضوعات سے گہرا تعلق رکھتا ہے۔

دنیا میں صحافت کا آغاز اگرچہ مردوں کے ذریعے ہوا، لیکن خواتین نے بھی جلد ہی اس شعبے میں اپنی جگہ بنالی۔ نسائی صحافت دراصل وہ صحافت ہے جو خواتین کے مسائل، حقوق اور ترقی پر روشنی ڈالتی ہے۔ ابتدا میں اس شعبے میں خواتین کی شمولیت کو کئی رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑا، جن میں روایتی تعصبات اور معاشرتی بندشیں شامل تھیں۔ تاہم خواتین نے اپنی ثابت قدمی اور ہمت سے ان چیلنجز پر قابو پایا اور نہ صرف خبروں کی رپورٹنگ اور تجزیے میں اہم کردار ادا کیا بلکہ معاشرتی بیداری اور تبدیلی میں بھی اپنی شرکت کو یقینی بنایا۔ اردو صحافت میں بھی خواتین نے بطور قاری، مدیر، مصنف اور رپورٹر اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا اور اس میدان میں نمایاں خدمات انجام دے کر اپنی پہچان بنائی۔

وقت کے ساتھ ساتھ جب خواتین نے تعلیم حاصل کرنا شروع کی اور اپنے معاشرتی حقوق کے لیے آواز بلند کی، تو انھوں نے صحافت میں بھی اپنی شناخت بنائی۔ انیسویں صدی میں مغرب میں خواتین نے صحافتی سرگرمیوں میں دلچسپی لینا شروع کیا اور ابتدا میں سماجی و فلاحی موضوعات پر لکھا، جس سے نسائی صحافت کی بنیاد پڑی۔ امریکا اور برطانیہ میں مارگریٹ فلر (Margaret Fuller) اور ایدابی ویلز (Ida B. Wells) جیسی باہمت خواتین نے خواتین کے حقوق، غلامی کے خاتمے اور مساوی مواقع جیسے اہم مسائل پر قلم اٹھایا۔ برصغیر میں بھی انیسویں صدی کے دوران خواتین کی صحافت کا آغاز سماجی اصلاحی تحریکوں کے ساتھ ہوا، جنھوں نے نہ صرف خواتین کو تعلیم اور خود مختاری کی طرف راغب کیا بلکہ انھیں اپنے خیالات کے اظہار کے لیے ایک پلیٹ فارم بھی فراہم کیا، جس کے نتیجے میں خواتین کی صحافتی سرگرمیوں میں نمایاں اضافہ ہوا۔ اردو میں نسائی صحافت کا آغاز انیسویں صدی کے وسط میں ہوا، جب 1869 میں آگرہ سے احمد خاں صوفی کی ادارت میں پندرہ روزہ اخبار 'مفید عام' منصۂ شہود پر آیا۔ یہ دور خواتین کے لیے مخصوص مطبوعات کے آغاز کا نقیب ثابت ہوا۔ نسائی جرائد کی اشاعت میں ابتدائی کاوشیں عیسائی مشنریوں سے منسوب کی جاتی ہیں، جنھوں نے سماجی اصلاح اور فکری بالیدگی کے پیش نظر مختلف النوع جرائد کی اشاعت کو مہمیز دی۔ 1884 میں

لکھنؤ سے اردو اور ہندی زبان میں شائع ہونے والا نیم ماہانہ مجلّہ 'رفیقِ نسواں' بھی انہی اصلاحی اور تبلیغی مقتضیات کے تحت معرضِ وجود میں آیا جو بعد ازاں نسائی صحافت کے ارتقا میں سنگِ میل ثابت ہوا۔ اسی برس، یعنی 1884 میں ہی دہلی سے سید احمد دہلوی نے ایک اور نیم ماہانہ جریدہ 'اخبار النسا' کی اشاعت کا آغاز کیا۔ بعد ازاں وقتاً فوقتاً مختلف شہروں سے مزید نسوانی جرائد منصۂ شہود پر آئے، جن میں لاہور سے 'شریف بی بی' 1893، حیدرآباد سے 'معلمِ نسواں' 1894، لاہور سے 'تہذیبِ نسواں' 1898، لکھنؤ سے 'پردۂ عصمت' 1900 شامل ہیں۔ یہ رسائل نہ صرف خواتین کی تعلیم و تربیت اور گھریلو زندگی سے متعلق رہنمائی فراہم کرتے تھے بلکہ ان میں سماجی شعور اجاگر کرنے کا بھی اہم کردار تھا۔

ان رسائل کا بنیادی مقصد اور غایت خواتین میں دینی اور تعلیمی آگاہی کو فروغ دینا تھا، تاکہ جہالت کا قلع قمع کیا جا سکے اور سماجی سطح پر تعلیم نسواں کے حوالے سے شعور و آگہی پیدا کی جا سکے۔ تاہم انیسویں صدی کے آخر میں جب تحریک نسواں کو مضبوط حمایت درکار تھی۔ 'معلم نسواں'، 'تہذیب نسواں' اور 'پردۂ عصمت' جیسے اہم رسائل منظر عام پر آئے۔ ان کی وکالت سے شدید مخالفت کے باوجود ایسی فضا بنی کہ مسلم سماج میں خواتین کی تعلیم کو پذیرائی ملی اور یہ تحریک مسلسل آگے بڑھتی گئی اور یہ کارواں بیسویں صدی میں نئے انداز سے اپنی راہ پر گامزن ہوا۔ جس کی وجہ سے بیسویں صدی کے اوائل میں خواتین کے لیے کئی اہم رسائل شائع ہوئے، جن میں 'شمس النہار' 1902، دہلی، 'خاتون' 1904، علی گڑھ، 'پردۂ نشین' 1906، آگرہ، 'عصمت' 1908، دہلی اور 'ظل السلطان' 1913، بھوپال شامل تھے۔ تاہم، خواتین کی ادارت میں پہلا نمایاں جریدہ 'النساء' تھا، جو 1919 میں صغریٰ بیگم نے حیدرآباد سے جاری کیا۔ 1926 میں خواجہ بانو کی ادارت میں 'تبلیغِ نسواں' شائع ہوا، جو تعلیم، معاشرتی اصلاح اور مذہب و تاریخ پر مضامین پیش کرتا تھا۔ اسی دور میں نور جہاں (امرتسر)، خادمہ (حیدرآباد)، عفت (پٹنہ)، معینِ نسواں اور ثریا (علی گڑھ) جیسے دیگر قابل ذکر جرائد بھی منظرِ عام پر آئے، جو خواتین میں شعور و آگہی پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کرتے رہے۔

بیسویں صدی کے نصف اول میں چند ایسے مخصوص و امتیازی تحریکی مجلّات کا ظہور ہوا جو اپنی موضوعی ماہیت کے اعتبار سے سراسر سیاسی نوعیت کے حامل تھے۔ ان جرائد کا اساسی نصب العین خواتین میں سیاسی بصیرت کو اجاگر کرنا اور تحریکِ آزادی کے ولولے کو جلا بخشنا تھا۔ تاہم ان مجلّات کے محرکین، مدیران اور ناشرین کو حکومتی جبر و استبداد کے کٹھن مراحل سے گزرنا پڑا۔ آزادی سے قبل اگست 1943 میں بنگلور سے جریدہ 'نیا دور' منظر عام پر آیا، جس کی ادارت نابغہ روزگار ممتاز شیریں اور ان کے ہم قدم، صمد شاہین کے سپرد تھی۔ اسی نہج پر علی گڑھ سے 'بزم ادب' کی اشاعت عمل میں آئی، جس کی مدیر نامور شاعر خلیل الرحمٰن اعظمی کی ہم سفر، راشدہ خلیل تھیں۔ 1929 میں عصمت آرا حجاب نے میرٹھ سے 'خاتونِ مشرق' کی بنیاد رکھ کر مشرقی و اسلامی اقدار کے فروغ کا بیڑا اٹھایا۔ اس کے بعد 1939 میں ماہنامہ 'آفتابِ نسواں' کا اجرا ہوا، جس کی باگ ڈور سرور جہاں اور انور جہاں کے سپرد تھی۔ آزادی کے فوراً بعد 1947 میں ایک اور بلند پایہ پندرہ روزہ جریدہ 'افشاں' منظرِ عام پر آیا، جس کی ادارت الطاف قمر (بیگم حکیم سید قمر الحسن) اور پروین رشدی (زوجہ اے۔ آر۔ رشدی) کے ذمے تھی۔

آزادی کے بعد نسوانی صحافت میں دہلی اور اس کے ملحقہ علاقوں نے مرکزیت حاصل کر لی۔ ترقی پسند افکار کا نمائندہ دو ماہی جریدہ 'ماحول' 1951ء میں دہلی سے منصۂ شہود پر آیا، جو اپنے انقلابی رجحانات کی بدولت نمایاں حیثیت رکھتا تھا۔ اسی تناظر میں 1962 میں دکن سے خواتین کے لیے ایک اور وقیع مجلّہ 'خاتون' کا اجرا ہوا، جس کی مدیرِ اعلیٰ محترمہ صالحہ الطاف تھیں۔ یہ جریدہ اپنے فکری مزاج میں ترقی پسند نظریات اور جدید فکری جہات کا آئینہ دار تھا۔

بیسویں صدی کے اوائل میں تحریک آزادی کے ہنگامہ خیز دور میں متعدد جرائد شائع ہوئے، جنھوں نے اردو صحافت کے کارواں کو آگے بڑھایا اور قومی یکجہتی و حریت کی راہ میں سنگِ میل ثابت ہوئے۔ تاہم برطانوی استعمار کے خلاف برصغیر کی جدوجہد آزادی میں خواتین نے مردوں کے دوش بدوش فعال کردار ادا کرنے کے باوجود اردو صحافت میں ان کی نمایاں شمولیت مشاہدے میں نہیں آئی، بالخصوص

ایسے نسوانی قلمکار،جنھیں کل وقتی صحافی کی حیثیت سے یاد کیا جا سکے۔

اردو صحافت کی تاریخ میں خواتین صحافیوں نے ہمیشہ اہم کردار ادا کیا ہے۔وقت کے ساتھ ساتھ خواتین نے نہ صرف صحافت کے میدان میں قدم رکھا بلکہ اپنی لکھنے کی صلاحیت، تحقیقی مہارت اور بے باک رپورٹنگ کے ذریعے معاشرے میں اہم تبدیلیوں کو جنم دیا۔ عصر حاضر میں بھی کئی خواتین نے اردو صحافت کو نئے زاویے اور نئے افق عطا کیے ہیں۔ان کی خدمات کو مختلف رسائل اور اخبارات میں نمایاں طور پر سراہا گیا ہے۔

ہندوستان کی اردو صحافت میں خواتین قلمکاروں کے نام نمایاں طور پر ابھرے ہیں، جنھوں نے اپنے قلمی وفکری کمالات سے اس شعبے کو نئی جہت دی ہے۔عذرا نقوی نے 'نوائے وقت' میں بے باک رپورٹر اور کالم نگار کے طور پر معاشرتی ناہمواریوں پر روشنی ڈالی۔

ہندوستان میں اردو صحافت میں خواتین کا کردار بڑھتا جا رہا ہے اور رابعہ بیگم، شائستہ بدر، فرحت یاسمین اور نازیہ جبین جیسی صحافیوں نے اس شعبے میں اپنی انفرادیت ثابت کی ہے۔رابعہ بیگم نے 'سہارا اردو' سے اپنے صحافتی سفر کا آغاز کیا اور مختلف رسائل میں مدیر اور کالم نگار کی حیثیت سے سماجی مسائل، خواتین کے حقوق اور سماجی انصاف پر اپنی تحریریں پیش کیں۔شائستہ بدر نے 'ہند سماچار' سے صحافت میں قدم رکھا اور اپنی بیباک تحریروں کے ذریعے خواتین کے حقوق، تعلیم اور سماجی ناانصافی پر قلم اٹھایا۔فرحت یاسمین نے 'انقلاب' سے صحافتی زندگی کا آغاز کیا اور مختلف اخبارات میں سیاسی، سماجی اور ثقافتی موضوعات پر تحریریں لکھ کر اردو صحافت میں نئے رجحانات کو فروغ دیا۔نازیہ جبین نے 'اردو ٹائمز' سے اپنی صحافت کا آغاز کیا اور سماجی انصاف، خواتین کے حقوق اور تعلیم جیسے موضوعات پر بے خوف ہو کر لکھا۔

عصرِ حاضر میں اردو زبان میں خواتین کے لیے کئی جریدے شائع ہو رہے ہیں، جن کی نگرانی باصلاحیت خواتین کر رہی ہیں۔یہ جریدے خواتین کی تعلیم، تربیت، سماجی مسائل، صحت اور دیگر موضوعات پر مرکوز ہوتے ہیں، جو خواتین کی رہنمائی اور ترقی میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ان رسائل میں 'خواتین دنیا' سب سے اہم ہے۔ماہنامہ 'خواتین دنیا' جو قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان (NCPUL) کے زیرِ اہتمام شائع ہوتا ہے، ایک موقر و معیاری ادبی وفکری جریدہ ہے، جس کا مقصد اردو زبان سے وابستہ خواتین کی تخلیقی وفکری صلاحیتوں کو جلا بخشنا ہے۔اس جریدے کا رسمی اجرا 19 مارچ 2017 کو چوتھی عالمی اردو کانفرنس کے دوران عمل میں آیا، جب اس وقت کے وزیر برائے فروغ انسانی وسائل، شری پرکاش جاوڈیکر نے اسے اسکوپ کمپلیکس، لودھی روڈ، نئی دہلی سے جاری کیا۔

یہ گراں قدر مجلّہ خواتین کی علمی ترویج، معاشرتی وقار، ثقافتی شناسائی اور ادبی تزئین و آرائش میں نہایت مدد ومعاون ثابت ہوتا ہے۔

یہ ماہنامہ چونسٹھ رنگین صفحات پر مشتمل ہے اور متنوع موضوعات کا احاطہ کرتا ہے، جن میں افسانے، شاعری، تحقیقی مضامین، صحت کے اصول اور دیگر نسوانی پہلو شامل ہیں۔اس کی بنیادی غایت خواتین کو علمی و تفریحی مواد مہیا کرنا ہے، تاکہ وہ اپنی سماجی اور انفرادی زندگی میں نکھار پیدا کر سکیں اور شعور و آگہی میں اضافہ کر سکیں۔اس مجلّے کی قیمت ہر شمارے کے لیے 15 روپے مقرر کی گئی ہے۔

اگر ہم اردو صحافت کی تاریخ کا جائزہ لیں اور خاص طور پر خواتین صحافیوں کی خدمات پر غور کریں تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ برصغیر میں خواتین کی صحافت سماجی اصلاحی تحریکوں کے نتیجے میں ابھری۔ان تحریکوں نے نہ صرف تعلیمِ نسواں کو فروغ دیا بلکہ خواتین میں مذہبی اور سماجی شعور کو بھی اجاگر کیا۔اس جدوجہد کے نتیجے میں تعلیم یافتہ مسلم خواتین نے آگے بڑھ کر تعلیمی ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔ان کی عملی جدوجہد کے نتیجے میں خواتین میں شعور، آزادی اور اصلاح کی ایک نئی لہر پیدا ہوئی۔ آج ہمارے معاشرے میں جو باشعور اور تعلیم یافتہ خواتین نظر آتی ہیں، وہ انھی عظیم المرتبت خواتین کی مخلصانہ کوششوں کا عملی اظہار ہیں۔

□□□

Zaheer Abbas
(Research Scholar), Dept.Of Urdu
University Of Kashmir
Hazaratbal,
Srinagar- 190006 (Jammu and Kashmir)
Email:zm1963581@gmail.com

خواجہ عبدالمنتقم

بھارتی افواج میں خواتین کی حصے داری

عورتیں زندگی کے تقریباً ہر شعبے میں کم وبیش مردوں کے شانہ بہ شانہ رہی ہیں۔ دنیا کی تاریخ گواہ ہے کہ ہندوستان میں خواتین فوجیوں نے ملک کے داخلی امن اور بیرونی خطرات اور حملوں سے قوم و وطن کی حفاظت، فوجی نقل وحرکت کی منصوبہ بندی، مورچہ بندی، جنگ کی ابتدا و انتہا میں مختلف منازل پر بہ نفس نفیس اپنی فعالیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے بہادری کی مثالیں پیش کی ہیں۔

ستی ساوتری پہلی صدی قبل مسیح: ستی ساوتری ایک غیر معمولی بہادری اور غیر متزلزل وفاداری کی مثال تھی۔ اس نے اپنی ذہانت اور روحانی قابلیت کو صرف مشکلات پر قابو پانے کے لیے نہیں بلکہ اپنی سلطنت کا فعال طور پر دفاع کرنے کے لیے بالکل ایک بے خوف جنگجو ملکہ کی طرح استعمال کیا چاہے حالات کتنے ہی کٹھن کیوں نہ ہوں۔ ستی ساوتری نے مشکلات کا سامنا کرتے ہوئے اپنے شوہر کی جان بچائی۔

رانی پدمنی 13 ویں صدی: میواڑ کی رانی پدمنی نہ صرف اپنی خوبصورتی بلکہ اپنی بہادری کے لیے بھی مشہور ہے۔ علاؤالدین خلجی کے حملے کے دوران اس نے ہتھیار ڈالنے سے انکار کر دیا تھا اور اپنی ریاست کے دفاع میں اہم کردار ادا کیا۔ اس کی قربانی اور دلیری کو مزاحمت کی علامت بتایا جاتا ہے۔

رانی رودرما دیوی تیرہویں صدی: کاکتیہ خاندان کی رانی رودرما دیوی نے دکن میں اپنی ریاست کا دفاع کرتے ہوئے غیر معمولی قیادت کا مظاہرہ کیا۔ ان کی انتظامی اصلاحات اور فوجی حکمت عملی نے ایک خوشحال حکومت کی بنیاد رکھی۔

رضیہ سلطانہ تیرہویں صدی: رضیہ سلطانہ دہلی سلطنت کی واحد خاتون حکمراں تھیں۔ انھیں ایک بہترین منتظم، منصرم اور ایک قابل حکمراں کے طور پر جانا جاتا ہے۔ جتنی وہ انتظامی امور میں ماہر تھی اتنی ہی وہ میدانِ جنگ میں ہنرمند نظر آتی تھی۔ جب وہ اپنے کھلے ہوئے چہرے کے ساتھ ہاتھی پر سوار میدانِ جنگ میں برسرِ جنگ ہوتی تھی تو اس کی شان دیکھنے کے قابل ہوتی تھی۔

رانی درگاوتی سولہویں صدی: گونڈوانا کی رانی درگاوتی نے مغل بادشاہ اکبر کی افواج کے خلاف جراتمندانہ جنگ لڑی اور کئی سال تک اپنی ریاست کی آزادی برقرار رکھی۔

رانی ابکا چوٹا سولہویں ویں صدی: کرناٹک کی ساحلی ریاست کی رانی ابکا چوٹا نے پرتگالی نوآبادیاتی افواج کے خلاف شدید جنگ لڑی اور دوسروں کو بھی نوآبادیاتی حکمرانی کے خلاف مزاحمت کے لیے ترغیب دی۔

اودا دیوی سولہویں صدی: کرناٹک کی کیلاڈی نائک ونش کی

ملکہ اوودا دیوی ایک ماہر جنگجو اور کرشماتی رہنما تھیں جنھوں نے پرتگالی افواج کے خلاف کامیابی سے مزاحمت کی، تاہم آخر کار انھیں شکست ہوئی اور گرفتار کرلیا گیا۔

رانی کرناوتی سولھویں صدی: رانی کرناوتی مشہور زمانہ میواڑ کے راجپوت رانا سانگا کی بیوی تھیں، انھوں نے اپنی ریاست کے دفاع کے لیے مغل بادشاہ ہمایوں سے مدد طلب کی، جو ان کی اپنے عوام اور ریاست کے تحفظ کے لیے غیر متزلزل عزم کی علامت ہے۔

رانی منگمل سترہویں صدی: مدورائی نائک خاندان کی حکمران رانی منگمل کو ان کی طاقتور حکومت، داخلی تنازعات کو سنبھالنے کی صلاحیت، اور اپنی ریاست کے دفاع کے لیے یاد رکھا جاتا ہے۔ انھوں نے کئی جنگوں میں فتح حاصل کی اور اپنی ریاست کی آزادی کو کئی دہائیوں تک برقرار رکھا۔

اونا کے اوباوا سترہویں صدی: اونا کے اوباوا بہادری اور حب الوطنی کی علامت تھیں، جنھوں نے کرناٹک میں مغل افواج کے خلاف مزاحمت کی۔ اگرچہ وہ کوئی بڑی جنگ نہ جیت سکیں، لیکن ان کی مزاحمت نے دوسروں کو لڑائی جاری رکھنے کی ترغیب دی۔

رانی ویلوناچیار اٹھارہویں صدی: تمل کی رانی ویلوناچیار برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنی اور مردھو برادران کے خلاف بہادری سے لڑیں۔ ان کی حکمت عملی، عزم، اور قربانی ان کے اپنی ریاست کی آزادی کے عہد کی علامت ہے۔

اہلیا بائی ہولکر اٹھارہویں صدی: مرہٹہ سلطنت کے مالوا خطے پر حکمرانی کرنے والی اہلیا بائی ہولکر اپنی غیر معمولی انتظامی صلاحیت اور فوجی حکمت عملی کے لیے مشہور تھیں۔ انھوں نے کئی جنگوں میں فتح حاصل کی اور اپنی ریاست کی سرحدوں کو وسعت دی۔

بل رانی اٹھارہویں صدی: بل رانی ایک گونڈ ملکہ تھیں جنھوں نے وسطی ہندوستان میں مغل افواج کے خلاف بغاوت کی قیادت کی۔ وہ ایک بہادر جنگجو اور متاثر کن رہنما تھیں، جنھوں نے کئی جنگوں میں کامیابی حاصل کی اور اپنی ریاست کی آزادی کو برقرار رکھا۔

بیلاواڈی مالنا اٹھارہویں صدی: بیلاواڈی مالنا وہ خاتون تھیں جنھوں نے کرناٹک میں برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنی کے خلاف خواتین کی فوج کی قیادت کی۔ اگرچہ ان کی بغاوت آخر کار ناکام ہوئی، لیکن وہ طاقت اور ہمت کی علامت کے طور پر یاد کی جاتی ہیں۔

یہ تو بات تھی دور قدیم کی، جہاں تک دور حاضر میں خواتین کی فوج میں شمولیت کی بات ہے تو اب انھیں مندرجہ ذیل Streams میں شمولیت کا حق حاصل ہے۔

بری فوج Indian Army

ابتداً فوج میں خواتین کی شمولیت طبی شعبے تک محدود تھی اور وہ کافی عرصے تک صرف AFMC کا ہی حصہ رہیں لیکن اب خواتین مختلف شعبوں جیسے انجینئرنگ، مواصلات اور سروسز کور میں بھی خدمات انجام دے رہی ہیں۔ 2023 تک کے اعداد وشمار کے مطابق بھارتی بری فوج میں تقریباً 1700 خواتین افسران شامل ہیں جو فوج میں افسران کی کل تعداد کا 4 فیصد حصہ ہے۔ مزید یہ کہ اب خواتین کو مستقل کمیشن کے ذریعے اعلیٰ عہدوں تک بھی رسائی حاصل ہے۔ ایک طویل عرصے تک یہ موضوع زیر بحث رہا کہ خواتین کی ایسے شعبے میں بھرتی کی جائے یا نہیں جس کا تعلق مڈبھیڑ (Combating) سے ہو۔ اس وقت ہماری خواتین کو 10 شعبوں میں کمیشن حاصل

کرنے کی اجازت ہے۔ جیسے کور آف انجینئرز، کور آف سگنلز، آرمی ایئر ڈیفنس، آرمی سروس کور، آرمی آرڈیننس کور، کور آف الیکٹرانکس اینڈ مکینیکل انجینئرز، آرمی ایوی ایشن کور، انٹیلی جنس کور، جج ایڈووکیٹ جنرل برانچ اور آرمی ایجوکیشن کور۔

یہاں اس بات کا ذکر بے محل نہ ہوگا کہ خواتین کو فوج میں لینے کا سلسلہ 1992 میں شروع ہوا تھا۔ سب سے پہلے انھیں صرف پانچ سال کے لیے جن شعبہ جات کے لیے کمیشن دیا گیا تھا وہ ہیں آرمی ایجوکیشن کور، کور آف سگنلز۔ 2020 تک انھیں مخصوص فورسیز میں جیسے پیراشوٹ رجیمنٹ میں Combat Troops کے طور پر خدمات انجام دینے کی اجازت نہیں تھی۔ وہ صرف Non-Combatant Wings میں کام کرسکتی تھیں۔ 17 فروری 2020 کو سپریم کورٹ نے یہ کلیدی فیصلہ سنایا کہ مرد اور خواتین دونوں کو فوج میں یکساں مواقع حاصل ہونے چاہئیں۔ اس سلسلے میں پیش رفت تو ضرور ہوئی ہے مگر ابھی اس پر مکمل عمل درآمدگی میں وقت لگے گا۔

بھارتی بحریہ (Navy)

بحریہ میں خواتین کو بطور افسر 1991 میں شامل کرنا شروع کیا گیا۔ حالیہ سالوں میں خواتین کو جنگی جہازوں پر تعیناتی اور دیگر تکنیکی شعبوں میں کام کرنے کی اجازت دے دی گئی ہے۔ 2023 کے اعداد وشمار کے مطابق بھارتی بحریہ میں خواتین کی تعداد تقریباً 750 ہے، جو کل افسران کا 7 فیصد بنتی ہے۔ 2022 سے خواتین کو بحریہ میں اگنی پتھ اسکیم کے تحت جہاز راں (Sailor) کے طور پر بھرتی کرنے کی اجازت دے دی گئی ہے۔

فضائیہ (Indian Air Force)

بھارتی فضائیہ خواتین کو پائلٹ کے طور پر شامل کرنے میں سب سے آگے رہی ہے۔ 2016 میں پہلی بار خواتین کو جنگی پائلٹ کے طور پر مقرر کیا گیا۔ 2023 میں بھارتی فضائیہ میں تقریباً 1700 خواتین افسران ہیں، جن میں سے کئی جنگی پائلٹ کے طور پر خدمات انجام دے رہی ہیں اور یہ اس تجرباتی اسکیم کا نتیجہ ہے جو فضائیہ نے 2015 میں ایک مستقل اسکیم کی شکل دی تھی اور فضائیہ میں مرد و خواتین کو مساوی مواقع دستیاب کرانے کا موقع دیا گیا تھا۔

ہمیں اپنی بھارتی فوج میں جن خواتین نے کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں ان سب پر ناز ہے۔ افواج کے ان تینوں شعبوں میں ہماری جن خواتین نے انتہائی اعلیٰ درجے کی فعالیت کا مظاہرہ کیا ہے ان سب کے کارہائے نمایاں کا ایک مضمون میں احاطہ کرنا ممکن نہیں البتہ اس میدان میں جن خواتین کو اعلیٰ کارکردگی اور خصوصی حصولیابیوں کے حوالے سے کلیدی حیثیت حاصل ہے ہم ان کا مختصر جائزہ لے رہے ہیں۔

لیفٹیننٹ جنرل پنیتا اروڑہ: لیفٹیننٹ جنرل پنیتا اروڑہ وہ پہلی خاتون ہیں جنھیں مسلح افواج میں تین ستارہ رینک ملا اور پرم وششٹ سیوا میڈل (PVSM)، سیوا میڈل (SM) اور وششٹ سیوا میڈل (VSM) سے نوازا گیا۔ انھوں نے Armed Forces Medical College (AFMC), Pune سے ایم بی بی ایس کی ڈگری حاصل کی اور 15 میڈل حاصل کیے۔ انھوں نے 1968 میں آرمی میڈیکل کور جوائن کی۔ AFMC سے ہی Post-graduation کیا اور پونا یونیورسٹی میں پہلی پوزیشن حاصل کی۔

پدماوتی بنداپادھیائے: بھارتی فضائیہ میں پہلی خاتون ایئر مارشل بنیں۔ انھیں 1971 کی بھارت۔ پاک جنگ میں نمایاں کارکردگی کے لیے وششٹ سوا میڈل سے نوازا گیا۔

صوفیہ قریشی: مارچ 2016 میں، پہلی خاتون افسر بنیں جنھوں نے ایک کثیر القومی فوجی مشق میں فوجی دستے کی قیادت کی۔ لیفٹیننٹ کرنل قریشی کو ملک کے کئی امن مشن ٹریننز میں سے منتخب کیا گیا تھا۔ وہ 2010 سے اقوام متحدہ کے امن مشنز (PKOs) سے وابستہ رہی ہیں۔ اس سے قبل بھی انھیں اس قسم کے فرائض انجام دینے کا تجربہ حاصل تھا۔ 2006 میں کانگو میں اقوام متحدہ کے امن مشن میں ملٹری آبزرور کے طور پر خدمات انجام دیں۔ وہ 1999 میں آفیسرز ٹریننگ اکیڈمی سے کمیشن حاصل کر کے بھارتی فوج میں شامل ہوئیں۔ وہ آپریشن پرکرم میں پنجاب بارڈر پر متحرک رہیں، جس پر انھیں جنرل آفیسر کمانڈنگ ان چیف (GOC-in-C) کی جانب سے تعریفی سند سے نوازا گیا۔ اس کے علاوہ، شمال مشرق میں سیلابی امدادی آپریشنز کے دوران ان کی شاندار مواصلاتی خدمات پر انھیں سگنل آفیسران

چیف(SO-in-C) کی طرف سے بھی تعریفی سند ملی۔ 2016 میں لیفٹیننٹ کرنل قریشی کو40رکنی بھارتی فوجی دستے کی قیادت کے لیے منتخب کیا گیا۔

بھوانا کانت: بھارتی فضائیہ کی پہلی خاتون فائٹر پائلٹ تھیں۔

میجر پریتی چودھری: فوج کی میزائل یونٹ کی پہلی خاتون کمانڈر تھیں۔

کیپٹن تانیا شیر گل: یوم جمہوریہ پریڈ میں مردوں کی فوجی ٹکڑی کی قیادت کرنے والی پہلی خاتون تھیں۔

سریشا بندلا: اسپیس فلائٹ کے لیے منتخب ہوئیں۔

ہمیں اپنی جانباز خواتین فوجیوں پر فخر ہے اور کیوں نہ ہو؟ ہمارے ملک میں صرف مساوات مرد و زن کی بات ہی نہیں کی جاتی بلکہ ہمارے تمام قوانین gender neutral ہیں اور خواتین کی ہر شعبۂ حیات میں نمایاں حصہ داری ہے جس میں بتدریج اضافہ ہو رہا ہے۔

متالی مدھومتا: فروری 2011 میں لیفٹیننٹ کرنل متالی مدھومتا ویرتا کے لیے سینا میڈل حاصل کرنے والی بھارت کی پہلی خاتون افسر بنیں۔ وہ کابل میں بھارتی سفارت خانے پر حملے کے دوران سب سے پہلے موقع پر پہنچنے والی افسر تھیں اور انھوں نے کئی لوگوں کی جان بچائی۔

پریا جھنگن: 21 ستمبر 1992 کو پریا جھنگن بھارتی فوج میں شامل ہونے والی پہلی خاتون کیڈٹ بنیں۔ انھوں نے فوج میں خواتین کی شمولیت کے لیے براہ راست آرمی چیف کو خط لکھا تھا اور 1993 میں ان کا خواب حقیقت میں بدل گیا۔

دویا اجیت کمار: 21 سال کی عمر میں، کیپٹن دویا اجیت کمار نے 'سورڈ آف آنر' کا اعزاز جیتا، جو بھارتی فوج کے بہترین کیڈٹ کو دیا جاتا ہے۔ وہ 2015 کی یوم جمہوریہ پریڈ میں خواتین افسران کی ایک مکمل ٹکڑی کی قیادت کرنے والی پہلی خاتون تھیں۔

نویدیتا چودھری: فلائٹ لیفٹیننٹ نویدیتا چودھری بھارتی فضائیہ کی پہلی خاتون تھیں جنھوں نے ماؤنٹ ایورسٹ کو سر کیا۔ وہ راجستھان سے تعلق رکھنے والی پہلی خاتون بھی تھیں جنھوں نے یہ کارنامہ انجام دیا۔

انجنا بھدوریا: انجنا بھدوریا بھارتی فوج میں سونے کا تمغہ حاصل کرنے والی پہلی خاتون تھیں۔ انھوں نے 1992 میں خواتین کی اسپیشل انٹری اسکیم کے ذریعے فوج میں شمولیت اختیار کی اور 10 سال تک خدمات انجام دیں۔

پریا سیموال: پریا سیموال وہ پہلی خاتون ہیں جنھوں نے ایک فوجی جوان کی بیوہ ہونے کے باوجود بھارتی مسلح افواج میں بطور افسر شمولیت اختیار کی۔ ان کے شوہر ایک دہشت گرد مخالف مہم میں شہید ہو گئے تھے، جس کے بعد انھوں نے فوج میں شامل ہونے کا فیصلہ کیا۔

دیپیکا مشرا: دیپیکا مشرا بھارتی فضائیہ کی پہلی خاتون پائلٹ بنیں جنھوں نے 'سارنگ' ہیلی کاپٹر ایروبٹک ٹیم کے لیے تربیت حاصل کی۔

سواتی سنگھ: 2012 میں، کیپٹن سواتی سنگھ کو بھارتی فوج کی 63 بریگیڈ میں تعینات کیا گیا، جو ناتھولا پاس کے قریب واقع ہے، جو کہ بھارت کی سب سے مشکل سرحدی چوکیوں میں سے ایک ہے۔

شانتی تگا: شانتی تگا بھارتی فوج میں پہلی خاتون جوان تھیں۔ وہ 35 سال کی عمر میں دو بچوں کی ماں ہوتے ہوئے فوج میں شامل ہوئیں اور فٹنس ٹیسٹ میں تمام مرد ساتھیوں سے بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔

گینووے لالجی: لیفٹیننٹ گینووے لالجی بھارتی فوج کی پہلی خاتون انٹیلی جنس افسر تھیں جنہیں 'آرمی کمانڈر کی پرنسپل ایڈ جونٹ' کے طور پر مقرر کیا گیا تھا۔

گنجن سکسینہ: کارگل جنگ کے دوران، فلائٹ آفیسر گنجن سکسینہ جنگی علاقے میں پرواز کرنے والی پہلی بھارتی فضائیہ کی خاتون افسر بنیں۔ انھوں نے زخمی فوجیوں کو بچانے اور رسد فراہم کرنے کے لیے متعدد جنگی پروازیں کیں۔ بعد میں، انھیں 'شوریہ ویر' ایوارڈ سے نوازا گیا۔

□□□

Khwaja Abdul Muntaqim

H-3,Dharma Apartment,

2-IP Extn.Delhi-110092

Mob.9818369624

ندیم احمد

فاصلاتی تعلیم اور خواتین

ڈیجیٹل انقلاب کی نئی راہیں

فاصلاتی تعلیم نے خواتین کے لیے تعلیمی مواقع پیدا کیے ہیں۔ خاص طور پر ان معاشروں میں جہاں تعلیمی نظام تک رسائی ممکن نہیں ہوتی ہے۔ آن لائن وسائل، موبائل ٹیکنالوجی، اور جدید آلات نے خواتین کو گھر بیٹھے علم حاصل کرنے کی سہولت دی، لیکن انٹرنیٹ کی کمی اور سماجی دباؤ اب بھی بڑی رکاوٹیں ہیں۔

اس نظام کی لچک اور کم لاگت نے خواتین کو اپنے پیشہ ورانہ مستقبل کو بہتر بنانے میں مدد دی، تاہم دور دراز علاقوں میں تکنیکی سہولیات کی کمی اسے مشکل بنا رہی ہے۔ کچھ دلچسپ شواہد بتاتے ہیں کہ 30 سے 45 سال کی خواتین گھریلو ذمے داریوں کی وجہ سے فاصلاتی تعلیم میں دوسروں سے پیچھے رہ جاتی ہیں۔

فاصلاتی تعلیم، جسے آج کل آن لائن یا ڈیجیٹل تعلیم بھی کہا جاتا ہے، ایک ایسا طریقہ ہے جو طالب علموں کو کلاس روم کی چار دیواری کے بغیر علم کی دنیا سے جوڑتا ہے۔ اس کی کہانی انیسویں صدی سے شروع ہوتی ہے جب خطوط کے ذریعے تعلیمی مواد لوگوں تک پہنچایا جاتا تھا۔ اس وقت یہ سوچنا بھی عجیب لگتا تھا کہ کوئی اپنے گھر کے کونے میں بیٹھ کر دنیا بھر کے بہترین اساتذہ سے سیکھ سکتا ہے۔ پھر بیسویں صدی میں ریڈیو اور ٹیلی ویژن نے اسے نئی شکل دی، اور اکیسویں صدی میں ڈیجیٹل انقلاب نے اسے ایک شاندار حقیقت میں بدل دیا۔ انٹرنیٹ کی تیز رفتاری، سمارٹ فونز کی دستیابی اور جدید تعلیمی پلیٹ فارمز نے اسے ہر گھر تک پہنچا دیا جس سے یہ تعلیمی نظام سستا، لچکدار، اور دلچسپ ہو گیا۔ خواتین کے لیے یہ نظام ایک پوشیدہ نعمت ہے۔ ان معاشروں میں جہاں سماجی روایات، ثقافتی پابندیاں، یا مالی مشکلات خواتین کو تعلیمی اداروں سے دور رکھتی ہیں، فاصلاتی تعلیم نے ان کے لیے ایک نیا دروازہ کھول دیا۔ یہ نظام دور دراز کی خواتین کے لیے ایک سنہرے پل کی طرح ہے۔ تصور کریں کہ ایک خاتون جو کبھی شہر کے کالج کی سیڑھیاں نہ چڑھ سکی، اب اپنے گھر کی چھوٹی سی میز پر بیٹھ کر دنیا کے بہترین اساتذہ سے علم حاصل کر رہی ہے۔

فاصلاتی تعلیم کا پس منظر اور ارتقا:

فاصلاتی تعلیم کی کہانی صدیوں پرانی ہے۔ 1840 میں جب برطانیہ کے ایک ماہر تعلیم نے خطوط کے ذریعے شارٹ ہینڈ سکھانے کا آغاز کیا تو اس وقت یہ ایک ناقابل یقین خیال تھا۔ اس دور میں تعلیم مردوں اور امیروں تک محدود تھی اور خواتین کے لیے اس کا خواب دیکھنا بھی مشکل تھا۔ پھر بیسویں صدی میں ریڈیو نے گھروں میں تعلیمی آوازیں پہنچائیں۔ 1930 کی دہائی میں جب ریڈیو نشریات نے تعلیمی پروگرام شروع کیے تو خواتین کو پہلی بار گھر بیٹھے کچھ سیکھنے کا موقع ملا۔ اس کے بعد ٹیلی ویژن نے اسے مزید رنگین بنایا، لیکن

اصل جادو انٹرنیٹ نے کیا۔ آج فاصلاتی تعلیم ایک جدید نظام ہے جو ٹیکنالوجی کے سہارے چلتا ہے۔ یہ صرف کاغذوں یا ریکارڈ شدہ آوازوں تک محدود نہیں بلکہ ایک زندہ تجربہ ہے جو طالب علموں کو دنیا کے کونے کونے سے جوڑتا ہے۔ اس کی چند اہم شکلیں یہ ہیں:

1. ڈیجیٹل کورسز: تعلیمی اداروں اور نجی پلیٹ فارمز کی طرف سے پیش کیے جانے والے مکمل پروگرام جیسے کہ سائنس، آرٹس یا کاروباری تعلیم جو طالب علموں کو سیکھنے کی آزادی دیتے ہیں۔

2. عالمی کھلے کورسز (MOOCs): edX، Coursera اور Udemy جیسے پلیٹ فارمز جو کم خرچ یا مفت کورسز فراہم کرتے ہیں۔ یہ کورسز لاکھوں لوگوں تک پہنچتے ہیں اور سرٹیفکیٹس دیتے ہیں اور روزگار کے دروازے بھی کھولتے ہیں۔

3. براہ راست کلاس رومز: زوم یا گوگل میٹ جیسے اوزار جو طالب علموں کو اساتذہ سے آمنے سامنے بات کرنے کی سہولت دیتے ہیں۔ یہ گھر کو کلاس روم میں بدل دیتے ہیں۔

4. موبائل سے سیکھنا: Khan Academy یا Duolingo جیسی ایپس جو تعلیم کو جیب میں لے آئے ہیں۔ ایک خاتون بازار جاتے ہوئے یا رات کے کھانے کے بعد بھی سیکھ سکتی ہے۔

خواتین کے لیے فوائد:

فاصلاتی تعلیم نے خواتین کے لیے زندگی بدلنے والے مواقع پیدا کیے ہیں۔ آئیے ان فوائد کو گہرائی سے دیکھتے ہیں:

1. لچکدار وقت: خواتین کے لیے سب سے بڑا تحفہ یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی کے مصروف لمحوں میں تعلیم کو جگہ دے سکتی ہیں۔ چاہے وہ گھر کی دیکھ بھال کر رہی ہوں، نوکری کر رہی ہوں، یا بچوں کی پرورش، وہ اپنے وقت کو خود ترتیب دے سکتی ہیں۔ تصور کریں کہ ایک خاتون صبح گھر کے کام ختم کر کے دوپہر کو اپنے لیپ ٹاپ پر ایک لیکچر سن رہی ہے۔ یہ لچک انھیں اپنی ذمے داریوں اور خوابوں کے درمیان توازن قائم کرنے کی طاقت دیتی ہے۔

2. کم خرچ: روایتی تعلیم میں بھاری فیس، رہائش کے اخراجات اور سفر کے پیسے شامل ہوتے ہیں۔ فاصلاتی تعلیم ان سب کو ایک طرف رکھ دیتی ہے۔ ایک کورس جو روایتی طور پر ہزاروں ڈالرز کا پڑتا تھا اب چند سو ڈالرز میں مل جاتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک ویب ڈیزائن کورس جو ادارے میں 1500 ڈالر کا ہو سکتا ہے، آن لائن 15 ڈالر میں دستیاب ہے۔ یہ کم خرچ ترقی پذیر خطوں کی خواتین کے لیے ایک بڑی راحت ہے۔

3. دوری کا خاتمہ: دور دراز علاقوں میں رہنے والی خواتین کے لیے شہری تعلیمی اداروں تک جانا ایک خواب ہوتا ہے۔ فاصلاتی تعلیم ان کے لیے دنیا کے بہترین وسائل گھر لے آتی ہے۔ ایک خاتون جو کبھی شہر نہ جا سکی، اب اپنے گھر سے سٹینفورڈ یا آکسفورڈ کے کورسز پڑھ سکتی ہے۔ یہ جغرافیائی فاصلے مٹا کر ان کے لیے عالمی تعلیم کا دروازہ کھولتی ہے۔

4. پیشہ ورانہ ترقی: آج کے دور میں مہارت سب کچھ ہے۔ فاصلاتی تعلیم خواتین کو نئے ہنر سکھاتی ہے جیسے کہ ڈیجیٹل مارکیٹنگ، گرافک آرٹ، یا پروگرامنگ، جو ان کے کیریئر کو نئی بلندیوں تک لے جاتے ہیں۔ کچھ خواتین گھر بیٹھے فری لانسنگ سے کمائی کرتی ہیں۔ ایک خاتون نے آن لائن کورس سے ڈیٹا اینالیسس سیکھا اور اب عالمی کمپنیوں کے لیے کام کر رہی ہیں۔

5. خود پر بھروسہ: تعلیم خواتین کو اندر سے مضبوط کرتی ہے۔ جب وہ کوئی نیا ہنر سیکھتی ہیں تو ان کی خود اعتمادی بڑھتی ہے اور وہ اپنی زندگی کے فیصلوں میں خود مختار ہوتی ہیں۔ ایک تعلیم یافتہ خاتون اپنے بچوں کے مستقبل کے لیے بہتر منصوبہ بنا سکتی ہے۔

ایک مطالعہ کے مطابق آن لائن تعلیم نے ان خطوں میں خواتین کے روزگار کے مواقع بڑھائے جہاں روایتی تعلیم تک رسائی کم تھی۔ عالمی اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ 2020 تک لاکھوں خواتین نے آن لائن کورسز کے ذریعے اپنی زندگیوں میں تبدیلی لا چکی ہیں۔

چیلنجز اور مسائل:

فوائد کے باوجود فاصلاتی تعلیم میں خواتین کو کئی مسائل کا سامنا ہے۔ آئیے انھیں تفصیل سے دیکھتے ہیں:

1. انٹرنیٹ تک رسائی کی کمی: دور دراز علاقوں میں انٹرنیٹ یا تو نہیں ہوتا یا اتنا سست ہوتا ہے کہ تعلیم ممکن نہیں رہتی۔ عالمی رپورٹس کے مطابق ترقی پذیر خطوں کے نصف سے زیادہ دیہی علاقوں میں

انٹرنیٹ نہیں ہے۔ ایک خاتون جو لیکچر دیکھنا چاہتی ہے اگر اس کا انٹرنیٹ بار بار بند ہو جائے تو اس کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے۔

2.ٹیکنالوجی سے ناآشنا: بہت سی خواتین کو جدید آلات استعمال کرنے کا طریقہ نہیں آتا۔ ان کے لیے آن لائن رجسٹریشن، کورسز کا انتخاب، یا ڈیجیٹل مواد تک رسائی ایک معمہ بن جاتا ہے۔ ایک سروے کے مطابق ترقی پذیر خطوں میں نصف سے زیادہ خواتین کو بنیادی ڈیجیٹل ہنر نہیں آتے۔

3.گھریلو بوجھ: شادی شدہ خواتین کے لیے گھر کے کام، بچوں کی پرورش، اور دیگر ذمے داریاں تعلیم کے لیے وقت چھین لیتی ہیں۔ ایک خاتون جو دن بھر میں تھک جاتی ہے، رات کو پڑھنے کے لیے خود کو تیار نہیں کر پاتی۔ مطالعے بتاتے ہیں کہ 30 سے 45 سال کی خواتین گھریلو دباؤ کی وجہ سے کم کارآمد ہوتی ہیں۔

4.معاشرتی سوچ: کچھ معاشروں میں خواتین کی تعلیم کو وقت کا ضیاع سمجھا جاتا ہے۔ خاندان کے افراد کہتے ہیں کہ 'یہ سب بے فائدہ ہے' یا 'گھر کے کام ہی کافی ہیں۔' یہ سوچ خواتین کے ارادوں کو کمزور کرتی ہے۔

5. مالی رکاوٹیں: اگرچہ کورسز سستے ہیں لیکن فون یا انٹرنیٹ کنکشن کے اخراجات بہت سے خاندانوں کے لیے بوجھ بنتے ہیں۔ ایک غریب خاتون کے لیے 50 ڈالر کا آلہ بھی بڑی سرمایہ کاری ہو سکتا ہے۔

ان کے علاوہ بجلی کی کمی، آلات کی خرابی، یا ناقص انٹرنیٹ جیسے مسائل بھی راستے میں آتے ہیں۔ ایک خاتون جو امتحان کی تیاری کر رہی ہو، اگر بجلی چلی جائے تو اس کی محنت رائیگاں جا سکتی ہے۔ یہ مسائل فاصلاتی تعلیم کے فوائد کو ہر خاتون تک پہنچنے سے روکتے ہیں۔

ڈیجیٹل دور کی طاقت

ڈیجیٹل تبدیلی نے فاصلاتی تعلیم کو نئی زندگی دی ہے۔ اس کے اثرات یہ ہیں:

1.جدید اوزار: زوم اور گوگل میٹ نے تعلیم کو زندہ کر دیا۔ ایک خاتون گھر سے استاد سے سوال پوچھ سکتی ہے۔

2.موبائل ایپس: Khan Academy اور Duolingo نے تعلیم کو ہر جگہ پہنچایا۔ ایک خاتون چلتے پھرتے سیکھ سکتی ہے۔

3.سوشل میڈیا: ایکس، واٹس ایپ اور فیس بک پر گروپس خواتین کو جوڑتے ہیں۔

4.مستقبل کی راہ: AI اور VR تعلیم کو ذاتی اور تجرباتی بنائیں گے۔ ایک خاتون VR سے تجربہ گاہ میں کام سیکھ سکے گی۔

مسائل کا حل

خواتین کے لیے فاصلاتی تعلیم کو بہتر بنانے کے حل یہ ہیں:

1.انٹرنیٹ کی سہولت: دور دراز علاقوں میں سولر سے چلنے والے انٹرنیٹ پوائنٹس بنائیں۔

2.تربیت: مفت کیمپوں سے خواتین کو ڈیجیٹل ہنر سکھائیں۔

3.موزوں کورسز: مختصر اور روزگار والے کورسز شروع کریں۔

4.شعور: میڈیا سے لوگوں کی سوچ بدلیں۔

5.مالی مدد: سستے آلات اور سبسڈی دیں۔

6.لچک: ریکارڈ شدہ مواد سے خواتین کو سہولت دیں۔

فاصلاتی تعلیم نے خواتین کے لیے ایک نیا سورج طلوع کیا ہے۔ یہ انھیں علم، خودمختاری، اور ترقی دیتا ہے۔ اگر چیلنجز دور کیے جائیں تو یہ خواتین کے مستقبل کو بدل سکتا ہے۔ یہ مضمون آپ کے لیے ہے اور اس کا ہر لفظ آپ کے لیے ایک نئی امید ہے۔

□□□

Dr. Nadeem Ahmed
Assistant Prof. Dept. of Urdu
Kirori Mal College
University of Delhi, Delhi-110007
nadeemahmad_126@yahoo.co.in

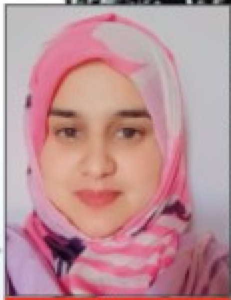

زبیدہ نسیم

ہندوستان کی تحریک آزادی میں خواتین کا کردار

مؤرخین کا خیال ہے کہ برطانوی سامراج کے خلاف پہلی جنگ آزادی 1857 ہندوستانی تاریخ کا ایک اہم موڑ ہے۔ ہماری اس تحریک آزادی کو انگریزوں کی حکومت نے ''غدر'' کا نام دیا تھا اور تحریک سے وابستہ ہندوستانیوں کو غدار کہا تھا لیکن 1857 کا یہی غدر انگریزی سرکار کے تابوت کی آخری کیل ثابت ہوا اور تحریک آزادی کے پروانوں کی مسلسل نوے برس کی قربانیوں سے 1947 میں بھارت بالآخر انگریزوں کی غلامی سے آزاد ہوا۔

مہاتما گاندھی نے کہا تھا ''قومی جدو جہدِ آزادی کی تاریخ ہندوستانی خواتین کے تذکرے کے بنا مکمل نہیں ہو سکتی'' ہندوستان کی جنگ آزادی میں لاتعداد خواتین اپنے انقلابی بھائیوں کے شانہ بہ شانہ جہد آزادی میں شریک رہیں۔ ہمیں 15/اگست 1947 کو جو آزادی نصیب ہوئی وہ ایک طویل جدو جہد کی داستان بیان کرتی ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ ہندوستانی عوام نے انگریزوں کو ملک چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا۔ تحریک آزادی ہند میں 1947 تک قائم رہنے والی برطانوی حکمرانی کو ختم کرنے کی جدو جہد میں خواتین نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ آزادی کی اس تحریک میں خواتین نے اہم اور نمایاں کردار ادا کیا۔ تحریک آزادی ہند میں خواتین کی شرکت اٹھارویں صدی کے اوائل میں ہی شروع ہو گئی تھی۔

تحریک آزادی کا کوئی بھی باب خواتین کی قربانیوں سے خالی نہیں۔ وہ کبھی حوصلہ بن کر، کبھی طاقت بن کر اور کبھی تحریک بن کر متحرک رہیں۔ امور خانہ داری سرانجام دینے والی خواتین ضرورت پڑنے پر اپنی تنظیمی صلاحیتوں کے ساتھ گھوڑے پر سوار ہو کر میدان جنگ میں لڑیں اور کئی مرتبہ جیل بھی گئیں۔

ہندوستان کی تحریک آزادی کی تاریخ بہادر اور بے خوف خواتین کے تذکروں اور ان کی گراں قدر وطنی خدمات کے بغیر ادھوری ہے۔ یہ وہ خواتین ہیں جنھوں نے جنگ آزادی میں اپنی زندگیاں قربان کر دیں اور نسل نو کو آزادی کی صبح دکھائی۔ ہندوستان کی یہ وہ عظیم خواتین ہیں جنھوں نے اپنی دلیری، جرأت اور استقامت سے تحریک آزادی میں حصہ لیا، لڑائیاں لڑیں اور پھر وہ دن دیکھنے نصیب ہوئے جن کا سب کو انتظار تھا۔

ہندوستان کی جنگ آزادی میں جن مجاہدین نے کلیدی کردار ادا کیا اور اپنی جان کی قربانی دی ان میں بے شمار مرد اور خواتین بھی شامل تھیں۔ اکثر یہ دیکھا جاتا ہے کہ مجاہدین آزادی میں ہم مردوں کا نام تو لیتے ہیں لیکن جانباز خواتین کو اکثر فراموش کر دیا جاتا ہے۔ ہمیں

نہیں بھولنا چاہیے کہ بہت سی خواتین ایسی گزری ہیں جنھوں نے آزادی کی جدو جہد میں مردوں کے شانہ بہ شانہ جنگیں لڑیں اور کامیابی حاصل کی ۔غور کرنے پر ہمیں ان خواتین کی ایک کہکشاں دکھائی دیتی ہے۔ان میں بیگم حضرت محل، جھانسی کی رانی لکشمی بائی، سروجنی نائیڈو، ارونا آصف علی، ڈاکٹر لکشمی سہگل، زبیدہ داؤدی، عزیزن، اصغری بیگم، حبیبہ، رحیمی، امجدی بیگم، نشاط النسا بیگم، سعادت بانو کچلو، بیگم زینت محل جیسی چند خواتین کا ذکر کرنا ضروری سمجھتی ہوں جن کے شجاعانہ کردار کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔اس میں بی اماں محمد علی اور شوکت علی کی والدہ کا کردار بھی تاریخی اہمیت کا حامل ہے۔

عبادی بانو بیگم (بی اماں): عبادی بانو بیگم کی پیدائش 1850 میں امروہہ کے محلّہ دستار سیاہ میں ہوئی۔عبادی بانو شہر کے ایک معزز اور منصب دار گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں۔عبادی بانو ابھی سات برس کی تھیں کہ 1857 کی بغاوت شروع ہوگئی اور ہندوستان کی اس پہلی تحریک آزادی کے اثرات عبادی بانو کے ذہن پر بھی مرتب ہوئے جو رفتہ رفتہ آگے چل کر ایک شعلہ ثابت ہوئے اور عبادی بانو بیگم کو 'بی اماں' کی شناخت دی۔بی اماں گاندھی جی اور کانگریس کے دیگر رہنماؤں کے زیر اثر قومی محاذ میں بھی شریک ہوئیں اور انڈین نیشنل کانگریس کے وسیع تر مقاصد، ہندو مسلم اتحاد، عدم تشدد، دیہی ترقی، تعلیم بالغان، ہریجنوں کی فلاح و بہبود کے تعمیری منصوبے، عوامی رابطہ اور منصوبہ بندی جیسے امور سے وابستہ رہیں اور کھل کر عوامی جلسوں میں شرکت کی۔

بی اماں کی شادی 1868 میں دربار رام پور سے وابستہ ایک ذمے دار عہدے پر فائز عبدالعلی خان سے ہوئی جن سے ان کے چار بیٹے اور ایک بیٹی پیدا ہوئیں۔ جوانی میں ہی شوہر کا انتقال ہوگیا تھا جس کی وجہ سے بی اماں کو کسمپرسی کے عالم میں زندگی گزارنی پڑی۔ مہاتما گاندھی نے بی اماں اور ان کے بیٹوں کی تحریک خلافت کو مجموعی تحریک آزادی سے ہم آہنگ دیکھتے ہوئے بی اماں کو اپنے ساتھ وابستہ کرلیا۔دیکھتے ہی دیکھتے بی اماں اور ان کے بیٹے شوکت علی اور محمد علی اپنی حب الوطنی، صداقت، لیاقت اور علمیت کے سبب مجموعی تحریک آزادی کے قومی سطح پر علمبردار بن گئے۔عبادی بانو کو ان کے دونوں بیٹے 'بی اماں' کہہ کر مخاطب کرتے تھے اور اس طرح وہ ''بی اماں'' کے نام سے مشہور ہوگئیں۔مہاتما گاندھی نے اپنی کتاب Eight lives: A study of Hindu muslim Encounter میں بی اماں کا تعارف پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ 'ایک جوان مسلم بیوہ نے کس طرح کسمپرسی میں سادہ زندگی بسر کرتے ہوئے اور پیغمبر اسلام کی زندگی کو مثال بنا کر اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت کی اور ان میں حب الوطنی کی جوت جلائی، اس کی عملی اور قابل تقلید مثال 'بی اماں' تھیں جن کو میں سلام پیش کرتا ہوں'۔

اسی حوالے سے پروفیسر ناشر نقوی کا خیال ہے کہ 'بی اماں نے ہندوستان کی تحریک آزادی کے لیے دہلی، لکھنؤ، لاہور، کراچی اور حیدر آباد کے علاوہ بہت سے شہروں میں جا کر اپنی پردہ نشینی کو برقرار رکھتے ہوئے بہت بڑے بڑے جلسوں میں جذباتی تقاریر کیں۔1914 میں جب ان کے دونوں بیٹے انگریزوں کے خلاف اپنی شعلہ فشانیوں اور تحریروں کی پاداش میں گرفتار ہوئے تب بی اماں اور بھی جوش وخروش کے ساتھ آزادی کی لڑائی میں پیش پیش ہوگئیں۔مہاتما گاندھی کی ایما پر 'بی اماں' عورتوں کی تحریک کی قائد بنیں، بی اماں کے دوش بہ دوش بیگم حسرت موہانی، سرلا دیوی، بتی دیوی اور مشہور سیاست داں اور شاعرہ بلبل ہند سروجنی نائیڈو بھی شامل رہیں'۔

زبیدہ داؤدی: محترمہ زبیدہ داؤدی کی پیدائش 1858 میں پاروگاؤں ضلع مظفر پور (بہار) میں ہوئی۔زبیدہ بیگم کی شادی مولانا شفیع داؤدی سے ہوئی جو ایک مشہور ایڈوکیٹ اور ممتاز قومی رہنما تھے۔ زبیدہ داؤدی نے اپنے شوہر کے سیاسی نظریات کا پورا اثر قبول کیا۔ زبیدہ داؤدی بی اماں کی شعلہ باز تقاریر سے خصوصی طور پر متاثر ہوئیں۔وہ انڈین نیشنل کانگریس کی ممبر تھیں اور اپنے شوہر کی سیاسی سرگرمیوں میں ہمیشہ برابر کی شریک رہتی تھیں۔ زبیدہ داؤدی نے انگریزوں کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک میں شامل ہوکر جنگ آزادی میں عملی طور پر حصہ لیا۔مولانا شفیع داؤدی کو جب ایک سال کی سزا ہوئی تو زبیدہ داؤدی نے سب سے پہلے اپنے شوہر کے تمام قیمتی ولایتی کپڑے جو کلکتے سے سل کر آتے تھے اور اپنے خاندان کے دیگر افراد کے ولایتی کپڑے بھی کانگریس کے دفتر میں بھیج دیے، جہاں ہنسی خوشی ان ولایتی کپڑوں کی ہولی جلائی گئی اور گھر گھر جا کر ولایتی کپڑے اکٹھا کرنے

والوں کی یہ رہنما بنیں۔انھوں نے آزادی کی جدوجہد میں حصہ لینے کے لیے اور خواتین کو اپنے خیالات سے متاثر کرنے کے لیے جلسے منعقد کیے۔اس واقعے کو ڈاکٹر عابدہ، سمیع الدین نے اپنی کتاب 'ہندوستان کی جنگ آزادی میں مسلم خواتین کا حصہ' میں بیان کیا ہے۔وہ بتاتی ہیں کہ 'زبیدہ بیگم ایک پردہ نشین خاتون تھیں، شوہر کے ہمراہ وہ ہر عوامی جلسے میں شریک ہوتی تھیں اور خود بھی خواتین کے جلسے منعقد کیا کرتی تھیں۔ وہ ان سبھی خواتین کا حوصلہ بڑھانے میں ہر ممکن مدد کرتی تھیں۔جن کے شوہر نیز دوسرے عزیز قومی آزادی کی خاطر قید و بند کی صعوبتیں جھیل رہے تھے۔کھادی کے کپڑوں میں ملبوس خواتین شفیع منزل کے شاندار احاطے میں جمع ہوتی تھیں۔بیگم زبیدہ چرخے کی کلاس بھی وہیں پر لیتی تھیں۔اس عمارت کے وسیع و عریض لان میں گاندھی جی نے بھی خواتین سے خطاب کیا تھا۔'

جھانسی کی گمنام شہید: سینٹرل انڈیا کے لیے گورنر جنرل کے ایجنٹ رابرٹ ہملٹن نے اپنی رپورٹ مورخہ 30/اکتوبر 1858 میں ایڈمن اسٹون سکریٹری گورنمنٹ آف انڈیا کو رانی لکشمی بائی کی شہادت کا ذکر یوں کیا ہے کہ 'رانی گھوڑے پر سوار تھی اس کے ساتھ اس موقع پر ایک دوسری مسلمان خاتون بھی جو عرصہ دراز سے اس خاندان سے وابستہ تھی اور رانی کی مصاحبت میں رہتی تھی، سوار تھی دونوں کو گولی لگی اور دونوں ایک ساتھ زمین پر گر گئیں۔'

سروجنی نائیڈو: سروجنی نائیڈو کا شمار ان چند جانباز خواتین میں ہوتا ہے جنھوں نے انگریز حکمرانوں کے خلاف آزادی کی جدوجہد میں مردوں کے ساتھ رہ کر قربانیاں پیش کیں۔سروجنی نائیڈو 1879 میں پیدا ہوئیں جنھیں بلبل ہند، نازش ہند اور خاتون ہند بھی کہا گیا۔ آپ ایک صاحب طرز ادیبہ، بے مثال شاعرہ اور ایک شعلہ بیاں مقررہ تھیں۔ان کی تقریریں اور نظمیں لوگوں کے اندر وطن پر قربان ہونے کا جذبہ پیدا کرتی تھیں۔سروجنی نائیڈو کا شمار ہندو مسلم اتحاد کے سفیر کے طور پر ہوتا ہے۔آزادی وطن کی خاطر انھوں نے وہ کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں جنھوں نے انھیں ''خاتون ہند'' جیسے خطاب سے سرفراز کردیا اور تحریک آزادی کی تاریخ میں ان کا نام سنہرے حروف سے رقم کردیا۔

> **''سروجنی نائیڈو کا شمار ان چند جانباز خواتین میں ہوتا ہے جنھوں نے انگریز حکمرانوں کے خلاف آزادی کی جدوجہد میں مردوں کے ساتھ رہ کر قربانیاں پیش کیں۔ سروجنی نائیڈو 1879 میں پیدا ہوئیں جنھیں بلبل ہند، نازش ہند اور خاتون ہند بھی کہا گیا۔آپ ایک صاحب طرز ادیبہ، بے مثال شاعرہ اور ایک شعلہ بیان مقررہ تھیں۔''**

عزیزن: ان کی پیدائش لکھنؤ میں 1832 میں ہوئی تھی۔عزیزن امراؤ جان ادا کے یہاں سارنگی محل میں رہتی تھیں۔4 جون 1857 میں جب نانا صاحب نے ہندوؤں اور مسلمانوں سے انگریزوں کے خلاف جنگ میں اُن کا ساتھ دینے کے لیے اور فوج میں بھرتی ہونے کے لیے اعلان جاری کیا تو فوجی بھرتی کا اعلان سنتے ہی یہ خاتون گھربار چھوڑ کر اپنے ساتھیوں کے ساتھ میدان جنگ میں اُتر آئیں۔انھوں نے خواتین کی ایک بٹالین کو منظم کیا۔وہ جنگ کے فن میں ماہر تھیں۔وہ گھر گھر جاکر عورتوں کو گھوڑسواری اور ہتھیاروں کا استعمال سکھاتی تھیں۔

عزیزن جب پکڑی گئیں اور جنرل ہیلاک کے سامنے پیش کی گئیں تو ہیلاک نے ان سے کہا کہ اگر وہ اپنے جرم کا اقرار کرلے تو اُسے معاف کردیا جائے گا۔ انھوں نے اس تجویز کو مسترد کردیا اور وطن عزیز کی خاطر شہادت کو ترجیح دی۔اس حوالے سے ڈاکٹر عابدہ سمیع الدین اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ 'وہ جنگ آزادی کی پہلی مجاہدہ تھی جس نے اس رعایت کو حقارت سے ٹھکرادیا۔کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ یہ عمل حوصلہ پست کردے گا۔ہیولاک نے پھر پوچھا آخر تمہارا مقصد کیا ہے؟ ہندوستان کی اس جیالی بیٹی کا جواب تھا ''ہر ممکن طریقے سے برطانوی حکومت کا خاتمہ'' ہیولاک نے مجبوراً سپاہیوں کو فائر کرنے کا حکم دیا......اور گولیاں نازک بدن کو چھلنی کرگئیں۔اب عزیزن ایک ناقابل فراموش روایت بن گئی تھی۔'

حبیبہ: حبیبہ ضلع مظفرنگر یوپی کے ایک گاؤں میں 1833 میں

پیدا ہوئیں۔ ان کا تعلق ایک مسلم گوجر خاندان سے تھا۔ برطانوی فوج کی مزاحمت کی پاداش میں گرفتار ہوئیں اور 1857 میں پھانسی کی سزا پائی۔

رحیمی: اس نوجوان خاتون کا تعلق ایک مسلم راجپوت خاندان سے تھا۔ پیدائش ضلع مظفر نگر اُتر پردیش کے ایک دیہات میں ہوئی۔ ہندوستان کی پہلی جنگ آزادی میں بھرپور حصہ لیا۔ انھیں برطانوی فوج سے مزاحمت کی پاداش میں پھانسی کی سزا دی گئی۔

امجدی بیگم:(زوجه مولانا محمد علی): ان کا تعلق رام پور کے ایک معروف خاندان سے تھا۔ آپ اپنے شوہر کے فلسفیانہ اور سیاسی اصولوں کی پیروکار تھیں۔ مولانا محمد علی کی گرفتاری کے بعد بھی وہ انتہائی جرأت وہمت کے ساتھ سفر کرتیں اور برقع پہن کر سبھی جلسوں میں شریک ہوتی تھیں اور مختصر سی تقاریر بھی کرتیں جس کا اثر براہِ راست عوام کے دلوں پر ہوتا تھا۔ انھوں نے 'ستیہ گرہ' اور خلافت فنڈ کے لیے روپے جمع کیے۔ گاندھی جی کے سفری اخراجات اُنھی کے ذمے تھے۔

امجدی بیگم:(زوجہ مولانا محمد علی): ان کا تعلق رام پور کے ایک معروف خاندان سے تھا۔ آپ اپنے شوہر کے فلسفیانہ اور سیاسی اصولوں کی پیروکار تھیں۔ مولانا محمد علی کی گرفتاری کے بعد بھی وہ انتہائی جرأت وہمت کے ساتھ سفر کرتیں اور برقع پہن کر سبھی جلسوں میں شریک ہوتی تھیں اور مختصر سی تقاریر بھی کرتیں جس کا اثر براہِ راست عوام کے دلوں پر ہوتا تھا۔ انھوں نے 'ستیہ گرہ' اور خلافت فنڈ کے لیے روپے جمع کیے۔ گاندھی جی کے سفری اخراجات اُنھی کے ذمے تھے۔

نشاط النساء بیگم: (بیگم حسرت موہانی) محترمہ نشاط النسا بیگم 1858 میں موہان ضلع اناؤ کے ایک معزز خاندان میں پیدا ہوئیں۔ نشاط النسا بیگم نے سودیشی تحریک میں شمولیت اختیار کی اور علی گڑھ میں خلافت تحریک کو قائم کرنے میں مدد کی۔

سعادت بانو کچلو: محترمہ سعادت بانو کچلو ڈاکٹر سیف الدین کچلو کی بیگم تھیں۔ ان کو اُردو اور فارسی میں مہارت حاصل تھی اور وہ حب الوطنی کے گیت اور نظمیں لکھتی تھیں۔ یہ وہ دور تھا جب مسلمان عورتوں کو تحریری طور پر اپنی آرا کا اظہار کرنا مشکل تھا۔ جب ان کے شوہر کی گرفتاری ہوئی تو سعادت بانو نے کہا کہ انھیں فخر ہے کہ ملک کی خدمت میں انھیں جیل کی سلاخیں ملیں، سعادت بانو سول نافرمانی کی تحریک میں سرگرم رہیں۔

زلیخا بیگم:(زوجہ مولانا ابوالکلام آزاد) زلیخا بیگم بہت ہی دلیر اور باہمت خاتون تھیں۔ انھیں معاشی پریشانیاں بہت اُٹھانی پڑیں کیونکہ مولانا جنگ آزادی کی تحریک میں سرگرم رہتے تھے اور زلیخا بیگم نے ہمیشہ اُن کا ساتھ دیا۔ 1924ء میں جب مولانا کو ایک سال کی سزا ہوئی تو انھوں نے مہاتما گاندھی کو خط میں لکھا کہ: 'میرے شوہر کو محض ایک سال کی سزا ہوئی ہے جو ہماری اُمیدوں سے بہت کم ہے۔ آج سے میں بنگال کمیٹی کا کام خود دیکھوں گی۔'

یہ اُن کی خود اعتمادی اور بہادری کی دلیل تھی۔ انھوں نے شوہر کی سزا کی خبر بہت ہمت سے سنی اور آزادی کی تحریک میں وہ عملی طور سے شریک ہوگئی۔

اصغری بیگم: اصغری بیگم کی پیدائش 5/ جولائی 1811 میں تھانہ بھون ضلع مظفر نگر اتر پردیش میں ہوئی۔ تھانہ بھون کے باغی رہنما قاضی عبدالرحیم کی والدہ تھیں۔ وہ 1857 کی جنگ آزادی میں برطانوی فوج کی مزاحمت کے جرم میں پکڑی گئیں اور زندہ جلادی گئیں۔

تحریک آزادی کی جدوجہد کا عرصہ سال دو سال کا نہیں تھا بلکہ برسوں اور مسلسل سختیاں، تکالیف، مصیبتیں اور ظلم وستم برداشت کرنے پڑے لیکن ان سب مصائب کے باوجود مردوں کے ساتھ خواتین بھی پیش پیش رہیں۔ تحریک آزادی کی خواتین کے ان کارناموں کو رہتی دنیا تک سراہا جاتا رہے گا۔ ان کی قربانیاں تاریخ کے اوراق پر سنہرے حروف سے لکھی گئی ہیں۔

□□□

Zabida Naseem

Research Scholar, Dept. of Urdu

Room No. 83, Arts Faculty

University of Delhi -110007

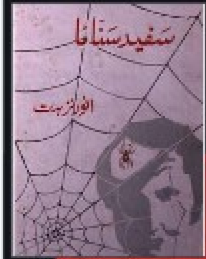

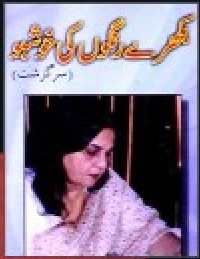

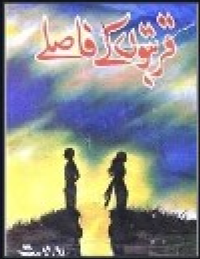

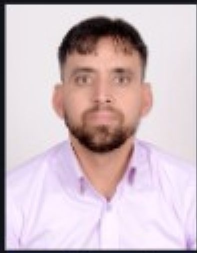
گلاب سنگھ

انور نزہت

ایک نمائندہ فکشن نگار

اردو ادب میں گرچہ خواتین قلم کاروں کی رفتار دھیمی رہی لیکن یہ کیا کم ہے کہ آج کے وقت میں خواتین قلم کار مرد قلم کاروں کے شانہ بہ شانہ کھڑی نظر آتی ہیں اور اپنی موجودگی سے دنیا کو حیران کر رہی ہیں۔ انور نزہت کی کہانیوں میں افسانے کا روایتی عنصر غالب ہے۔ انھوں نے اپنی کہانیوں کا پلاٹ اپنے اردگرد کے ماحول سے لیا ہے۔ انور نزہت 1938 میں تاج نگری آگرہ میں پیدا ہوئی۔ انھوں نے گھر میں ادبی ماحول پایا تھا لیکن روایت پسند گھر میں پیدا ہونے کی وجہ سے انھیں اپنے اندر کی صلاحیتوں کو پروان چڑھانے اور لوگوں کے سامنے کھل کر پیش کرنے کا موقع فراہم نہیں ہوا۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ کسی بھی سچے فنکار کا قلم زیادہ دنوں تک خاموش نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ انور نزہت جن کا نام کبھی انوری بیگم تھا شادی کے بعد قلمی نام انور نزہت اختیار کر کے ادبی افق پر روشن ہوئیں۔ افسانہ لکھنے کا فن ان کے خمیر میں شامل تھا لیکن ماحول کی ناسازگاری نے انھیں اندر ہی اندر تڑپا کر بھی رکھا تھا، جس کا ذکر وہ کچھ اس طرح کرتی ہیں:

”افسانہ نگاری میرے بچپن کا خواب تھا۔ انداز و اطوار میں بچپن سے ہی میں دوسری لڑکیوں سے مختلف تھی اور یہی وجہ تھی کہ ہمجولیاں گڑیوں سے کھیلتیں، میں گھر کے کسی کونے میں چھپ کر کہانیاں پڑھتی تھی۔ دراصل کہانیاں پڑھنا میرا شوق تھا۔ میں نے ایک ایسے گھرانے میں آنکھ کھولی تھی جہاں گھر کی چہار دیواری سے باہر کے بارے میں سوچنا بھی گناہ سمجھا جاتا تھا۔ افسانوں اور ناولوں کے پڑھنے پر پابندی عائد تھی۔ گھر میں سخت پردے کا رواج تھا۔ گھر سے باہر جانے کے لیے سواری ہوتی تھی اور اس میں بھی پردہ باندھا جاتا تھا، مجھے بھی دستور کے مطابق دس سال کی عمر میں پردے میں بٹھا دیا گیا۔ میرے والد کو ادب سے بہت انسیت تھی، اس لیے ہمارے گھر اکثر ادیب اور شاعر آتے رہتے تھے۔ لیکن گھر کی عورتیں پردے میں ہی رہتی تھیں۔ اکثر میرا دل مچلتا کہ کاش باہر جا کر میں بھی شاعر کے سامنے بیٹھ کر ان کا کلام سن سکتی۔ میری اس خواہش

کی تکمیل میں گھر کی روایت مانع ہوتی۔''
(قربتوں کے فاصلے، انور نزہت، سنہ 1998، ص:8)

انور نزہت کے تین افسانوی مجموعے بالترتیب 'تنہائی کا زہر'، 'سفید سناٹا'، 'قربتوں کے فاصلے' شائع ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ انھوں نے ایک ناول 'رنگین کانٹے' اور 'بکھرے رنگوں کی خوشبو' آپ بیتی بھی شائع ہو چکی ہے۔ انور نزہت نے اپنی کہانیوں میں زندگی کی حقیقت، اس کے پیچ وخم اور روزمرہ کے مسائل کو خوبصورتی کے ساتھ اپنی کہانیوں میں پیش کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی کہانیاں عام ہو کر بھی خاص ہیں اور پڑھنے والوں کو اپنی جانب راغب کرتی نظر آتی ہیں۔

انور نزہت کے افسانوی مجموعہ 'سفید سناٹا' میں 14 کہانیاں شامل ہیں جن کے عناوین: 1 سفید سناٹا، 2 فنکار، 3 شریف خون، 4 وہ تصویر، 5 حصار، 6 تحفہ، 7 ندامت، 8 بلندی پستی، 9 راکشش، 10 شرافت، 11 راکھی، 12 بانجھ زندگی، 13 یتیم، 14 بھوک ہے۔

افسانوی مجموعہ 'قربتوں کے فاصلے' میں بھی چودہ کہانیاں شامل ہیں جن کے عناوین: 1 ایک خط تمھارے نام، 2 آخر وہ کون تھا، 3 بدلہ، 4 خوشبو، 5 عورت کھلونا نہیں، 6 قربتوں کے فاصلے، 7 واپسی، 8 بے بی سیٹر، 9 دہشت گرد کون، 10 معصوم سوال، 11 خوشبو کی تلاش، 12 ماسک، 13 فتومائی، 14 وہ ایک لمحہ ہے۔

انور نزہت کے تیسرے افسانوی مجموعے 'تنہائی کا زہر' میں سترہ افسانے شامل ہیں، جن کے عناوین: 1 مہاجر، 2 ایماندار، 3 جوڑا، 4 شکست، 5 تنہائی کا زہر، 6 ممتا کی پیاس، 7 خواہش، 8 آخری فیصلہ، 9 کہانی کی کہانی، 10 خوابوں کا شہزادہ، 11 تعویذ، 12 ناکردہ گناہگار، 13 نفرت کی آگ، 14 ایک خواہش دل، 15 تلاش، 16 مکھی، 17 سوتیلی ہے۔

انور نزہت ادبی دنیا میں ایک جانا پہچانا نام ہے۔ ان کے زیادہ تر افسانے اپنے دور کے حالات کی عکاسی کرتے ہیں۔ ان کے بیشتر افسانوں کا محور ومرکز عام انسان اور عام زندگی ہے۔ ان کے افسانوں میں جذبات نگاری کا عنصر نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے زیادہ تر افسانے جذباتی انداز کے ہیں۔ چونکہ انور نزہت حساس دل کی مالک ہیں۔ اسی لیے سماج میں رونما ہونے والے تلخ واقعات کو وہ کبھی بھی نظر انداز نہیں کرتی ہیں، بلکہ وہ اپنے کرب کا اظہار اپنی کہانیوں میں کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ وہ اپنے افسانوں کے موضوعات کا انتخاب انسانی زندگی میں پیش آنے والے چھوٹے چھوٹے واقعات کرتی ہیں۔ اس لیے ان کے افسانے براہ راست دل پر اثر کرتے ہیں۔ ان کے افسانوں میں سماج کے ہر طبقے کی روزمرہ زندگی کے واقعات بیان ہوئے ہیں۔ انور نزہت کے افسانوں کے موضوعات میں تنوع ہے اور وہ مختلف موضوعات پر افسانے لکھتی ہیں۔ ان کا اسلوب بغیر کسی جدت کے سادہ اور سلیس ہے۔ وہ اپنے افسانوں میں لایعنی، بے معنی اور بے مقصد تجربے نہیں کرتیں۔ انھوں نے اپنے افسانوں کو جدیدیت اور مابعد جدیدیت جیسے نظریات سے دور ہی رکھا ہے۔ ان کے افسانے اگرچہ روایتی کہے جا سکتے ہیں لیکن چونکہ ان کے افسانوں میں موضوعات کی کثرت ہے اس لیے وہ ہر جگہ سے افسانہ اٹھا لینے کا ہنر جانتی ہیں۔ ڈاکٹر محمد علی صدیقی رقم طراز ہیں:

''انور نزہت کے تازہ افسانے پڑھے، وہ حقیقت نگاری کے اس مکتب فکر سے تعلق رکھتی ہیں جو سماج کے اندر وقوع پذیر ہونے والی تبدیلیوں کو بعض ناگزیر حقیقتوں کا لازمی نتیجہ سمجھتا ہے۔ ان کا کینوس خاصہ محدود ہے اور وہ اس محدود دائرہ ہی کی گہرائیوں کے راز تلاش کرتی دکھائی دیتی ہیں۔ وہ کہانی کار ہیں۔ خاصی عجلت سے کسی جذبہ کی عناں گیر ہوتی ہیں اور پھر افسانہ کی کلاسیکی تکنیک کے مطابق چشم زدن میں اس ڈرامائی تاثر تک پہنچنے کی کوشش کرتی ہیں جس نے انھیں واقعہ، حادثہ، ماجرے، کردار کے بارے میں غور کرنے پہ اکسایا تھا۔ ان کا افسانہ بڑے واقعات کے چھوٹے تاثرات تلاشنے کی بجائے چھوٹے چھوٹے واقعات کے بڑے تاثرات پر گم صم رو جانے کے مواقع فراہم کرتا ہے۔

انور نزہت کے افسانوں میں اکثر وبیشتر بہت ہی پیش افتادہ واقعات پر رد عمل ملتا ہے۔ وہ ان واقعات کی بنت

یا ان کی ترسیل میں کسی مشاق فنکارہ کی طرح تجرباتی یا
اسلوبیاتی کمالات سے کام لیتی نظر نہیں آئیں جیسا کہ
اکثر و بیشتر زیادہ نامور افسانہ نگاروں کا خاصہ ہے بلکہ وہ'
جیسا میں نے پایا ویسا ہی میں نے رقم کیا' کے اصول کے
مطابق قلم برداشتہ لکھتی چلی جاتی ہیں۔''

پیش لفظ، ڈاکٹر محمد علی صدیقی، مشمولہ قربتوں کے فاصلے، انور زہت، ص:9

ہجرت اور تقسیم ہند کے موضوع پر بے شمار افسانے لکھے گئے ہیں۔ انور زہت اس دوڑ میں کہاں پیچھے رہنے والی تھیں۔ انھوں نے 'مہاجر' کے عنوان سے ہجرت کے مسائل پر ایک بہترین افسانہ تخلیق کیا ہے۔ اس افسانے میں انھوں نے ہجرت در ہجرت کے مسائل کو آشکار کیا۔ کہانی میں مہاجر کی زندگی کے اتار چڑھاؤ کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ بیان کیا گیا۔

افسانہ 'ایماندار' میں انور زہت نے افسانے کے مرکزی کردار غلام رسول کی زندگی کی کہانی کو بیان کیا گیا ہے۔ کہانی کی ابتدائی سطر میں انور زہت کہتی ہیں 'غلام رسول خوددار اور ایماندار تھا۔ اس لیے وہ زیادہ تر بھوکا رہتا تھا۔ اس کو پیٹ بھر کر روٹی میسر نہ تھی۔' یہ کس قدر تلخ بات ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ ایماندار شخص کبھی بھی اپنی محنت اور ایمانداری سے اپنے گھر کے افراد کو دو وقت کا کھانا بھی نہیں دے سکتے۔ جب کہ وہیں جو جتنا بڑا، جھوٹا مکار، اور فریبی اور چالباز ہوگا معاشرے میں اس کی شان ہی الگ ہوتی۔ افسانے میں غلام رسول کی ایمانداری کے سبب ان کو کن مسائل سے دو چار ہونا پڑا اور کس طرح وہ کوڑے کے ڈھیر سے گوشت کی تھیلی اٹھا کر لے جانے پر مجبور ہوا اس مسئلے کو انتہائی کربناک انداز میں پیش کیا ہے۔

کہانی 'جوڑا' میں انھوں نے لڑکا اور لڑکی کے جوڑوں کی تلاش کے مسائل کو بیان کیا ہے۔ انھوں نے رشتہ طے کرانے والی خالہ رحیمن کی کہانی کو موضوع بنایا ہے۔ خالہ رحیمن جو محلے کی لڑکیوں اور لڑکوں کے رشتے کرانے میں کوئی ثانی نہیں رکھتیں لیکن ایک شیخ صاحب کے لیے جب وہ لڑکی تلاش کرنے نکلیں تو کوئی لڑکی نہیں مل سکی اور خالہ رحیمن نے خود شیخ صاحب سے شادی کر لی۔

افسانہ 'تنہائی کا زہر' میں انھوں نے بڑھاپے میں انسان کی تنہائی کو پیش کیا ہے کہ کس طرح وہ اپنے بچوں کی شادی کرانے کے بعد (جب انھیں ایک فارغ البال گھر میں ہنس کھیل کر زندگی بسر کرنا چاہیے تب) وہ بے یار و مددگار زندگی کے ہاتھوں تماشہ بن کر رہ جاتے ہیں اور انھیں مختلف پریشانیوں اور دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

'ایک خط تمھارے نام' رومانی قسم کا افسانہ ہے۔ جس میں افسانہ کا مرکزی کردار اپنے محبوب یا شوہر کے انتظار سے تھک کر بالآخر خط لکھنے کا قصد کرتی ہے اور اپنے خیالوں کی وادی میں غوطے لگاتے ہوئے قاری کو اپنے سحر میں گرفتار کر لیتی ہے۔ افسانہ کا اختتام ملاحظہ ہو:

> ''ہندوستانی عورت کی طرح میں بھی سہاگن مرنا چاہتی ہوں۔ میں نے تمھاری نئی زندگی کے بارے میں کچھ بھی نہیں پوچھا۔ تم ضرور خوش اور پرسکون ہوگے اگر تم ذرا بھی پریشان یا غیر مطمئن ہوتے تو ضرور یاد کرتے یا خط لکھتے لیکن تمھارے ایسا نہ کرنے سے مجھے اطمینان ہو گیا ہے۔ لیکن اپنے زخمی دل کو کیا کروں لاکھ سمجھانے پر بھی نہ مانا اور تمھیں خط لکھنے بیٹھ گئی خدا کے لیے ناراض مت ہونا، محبت کی پیاسی جان کر معاف کر دینا۔
>
> آنکھیں دھندلا رہی ہیں، سر گھوم رہا ہے، موت کے سائے سامنے منڈلا رہے ہیں۔ زندگی کا سفر ختم ہوا چاہتا ہے۔ میرا خط پہنچنے تک ۔۔۔۔۔''

(افسانہ ایک خط تمھارے نام، مشمولہ قربتوں کے فاصلے، انور زہت، ص:14-15)

انور زہت اس بات کا خیال رکھتی ہیں کہ ان کی زبان کی معنویت اور اس کا فطری پن متاثر نہ ہونے پائے۔ وہ اپنے افسانوں میں کردار نگاری بھی بہتر انداز میں کرتی ہیں۔ وہ اپنے کرداروں کا مطالعہ و مشاہدہ بہت قریب سے کرتی ہیں۔ ان کے کردار حقیقت کی بھرپور تصویر کشی کرتے ہیں۔ کرداروں کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ انور زہت کا انسانی نفسیات کا مطالعہ بھی بہت گہرا ہے۔ اس طرح یہ کہا جا سکتا ہے کہ انور زہت اپنے ہم عصر افسانہ نگاروں میں ایک اہم مقام رکھتی ہیں۔

انور زہت کے افسانے روایت اور جدیدیت کا سنگم ہیں اور حقیقت نگاری سے قریب تر ہیں۔ آج کے سماج میں لوگوں کو جن

مسائل اور مصائب سے دوچار ہونا پڑ رہا ہے اس کا عکس ان کے افسانوں میں نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔اس لیے اگر یہ کہا جائے کہ ان کے افسانے آج کے سماج کی بہترین نمائندگی اور عکاسی کرتے ہیں تو غلط نہ ہوگا۔

سفید سناٹا، فنکار، شریف خون، وہ تصویر، حصار، تحفہ، ندامت، بلندی پستی، راکشش، شرافت، راکھی، بانجھ زندگی، یتیم، بھوک وغیرہ انور نزہت کی ایسی کہانیاں ہیں جن میں انھوں نے زندگی کی رنگارنگی اور انسانیت کے درپیش مسائل کو بہترین انداز میں بیان کرکے اپنے فنکارانہ صلاحیت کا لوہا منوایا ہے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ انھوں نے اپنی بنت اور بیانیے سے نہ صرف کہانی کو انوکھا بنایا ہے بلکہ وہ قاری کے لیے دلچسپی کو برقرار رکھنے میں شروع سے آخر تک کامیاب دکھائی دیتی ہیں۔

مہاجر، ایماندار، جوڑا، شکست، تنہائی کا زہر، ممتا کی پیاس، خواہش، آخری فیصلہ، کہانی کی کہانی، خوابوں کا شہزادہ، تعویذ، ناکردہ گناہگار، نفرت کی آگ، ایک خواہش دل، تلاش، مکھی، سوتیلی وغیرہ انور نزہت کی ایسی کہانیاں ہیں جس کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے اور ان پر گفتگو کی جاسکتی ہے۔

انور نزہت اپنی کہانی کے بیانیے سے نہ صرف قارئین کو حیرت میں مبتلا کرتی ہیں بلکہ وہ نقادوں کو اپنی کہانیوں میں غور وفکر کی دعوت دیتی نظر آتی ہیں۔لیکن ہمارے یہاں نقادوں کی یہ روش عام ہے کہ وہ تنقید سے قبل نہ صرف فن پارے کی خوبیوں کو دیکھتے ہیں بلکہ ان کی تنقید ذاتی پسند و ناپسند کے گرد گھومتی ہوئی نظر آتی ہے جس کی وجہ سے بہت سے ایسے لکھنے والے ہیں جنھیں گوشہ نشینی کے سوا کچھ نہیں حاصل ہوتا۔اجمل اجملی انور نزہت کی کہانیوں کی خوبیوں کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''مجھے انور نزہت کی تحریروں میں جو خاص بات نظر آئی وہ ہے ان کا کہانی کہنے کا ڈھنگ اور ذاتی لب ولہجہ۔ کہانی کہنایوں بھی عورتوں کو خوب آتا ہے اور سچ پوچھیے تو اس عمل میں مرد، عورتوں کی برابری نہیں کرسکتے کہ یہ روایت ہزار ہا برسوں سے چلی آرہی ہے۔ وہ چاہے ہمارے گھرانوں کی بڑی بوڑھیاں ہوں یا انور نزہت جیسی 'چھوکریاں' (انور نزہت اور قارئین سے معذرت کے ساتھ) سبھی اس فن میں طاق ہوتی ہیں۔ سبھی بچپن میں بڑے بوڑھوں کی زبانی کہانیاں سنتی ہیں اور بڑی ہوکر اپنے بچوں اور پھر ان کے بچوں کو کہانیاں سناتی ہیں اور اگر افسانہ نگار بننے کا جذبہ ان کے دل میں کلبلانے لگے تو کہانی سننے والوں کا دائرہ پھیلتا چلا جاتا ہے۔''

(اجمل اجملی، تعارف، مشمولہ: سفید سناٹا، انور نزہت، ص:8)

انور نزہت کے دیگر افسانے بھی تنوع موضوعات پر مبنی ہیں۔ان کے یہاں سماج کا درد اور رشتوں کی پامالی، بے روزگاری کا کرب، خاندانی رشتوں میں درار اور دوسرے بہت سے مسائل کی نشاندہی ملتی ہے۔انھوں نے اپنے افسانوں کے موضوعات اپنے ارد گرد کے ماحول سے اخذ کیے ہیں۔اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کے افسانے قاری کو غور وفکر کی دعوت دیتے ہیں۔

انور نزہت کے افسانے اسلوب، پیشکش، پلاٹ، کردار، موضوع اور تقسیم کے لحاظ سے اپنی انفرادیت رکھتے ہیں۔ان کی زبان سادہ وسلیس ہے۔کہیں کہیں اردو میں رائج محاوروں کا بھی استعمال کرتی ہیں۔ان کے افسانوں میں جذبات نگاری بہت زیادہ ہے جو ایک خوش آئند بات ہے۔ان کے افسانوں میں صرف علاقائی مسائل ہی نہیں بلکہ ملکی مسائل بھی نظر آتے ہیں جو اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ ان کا دل سب کے لیے دھڑکتا ہے اور وہ سب کے مسائل ومصائب کو اپنا دکھ سمجھتی ہیں۔

□□□

Dr. Gulab Singh
C/o. Kargil Sabhagar,
Ved Mandir Complex
Near Bharatiya Vidya Mandir
Amphalla-180005 (Jammu & Kashmir)
Mob: 7006847561
gulabsingh2035@gmail.com

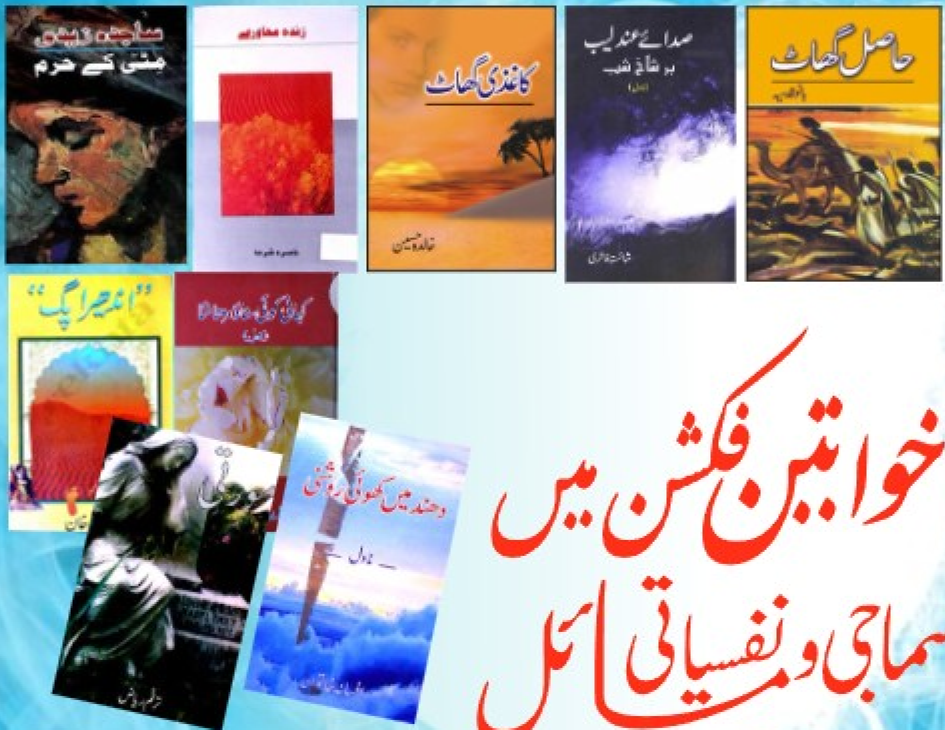

وسیمہ اختر

خواتین فکشن میں سماجی و نفسیاتی مسائل

گزشتہ چند صدیوں میں عورتوں نے اس معاشرے میں اپنی حصے داری کو نہ صرف سمجھا اور محسوس کیا ہے بلکہ اس میں شرکت کے لحاظ سے بھی فعال اور متحرک رہی ہیں۔ یہ عالمی ادب کی طرح اردو ادب میں بھی اپنے جذبات واحساسات اور افکار وخیالات کا اظہار اپنے مخصوص انداز میں کرتی آ رہی ہیں۔ آج وہ دنیا کے دیگر معاملات کے ساتھ ساتھ شعروادب کے میدان میں بھی مردوں سے کسی بھی طرح پیچھے نہیں ہیں بلکہ بڑے بے باکانہ انداز میں مردوں کے شانہ بشانہ چل رہی ہیں اور اپنی تخلیقات میں مختلف موضوعات جیسے سماجی مسائل، خواتین کے حقوق، خاندانی رشتے، محبت، روحانیت اور نفسیاتی پہلوؤں کو پیش کر رہی ہیں۔ مثلاً انھوں نے اپنے ناولوں کے ذریعے خواتین کے تجربات کو زبان دی، اکثر سماجی روایات کو چیلنج کیا اور مضبوط اور خود مختار خواتین کے کرداروں کو پیش کرنے کے ساتھ مرد وعورت کی کمزوریوں، عیاریوں، مکاریوں اور دیگر معاملات کو جنھیں لوگ کہنے یا سننے میں شرمندگی محسوس کرتے ہیں ان کو بھی اتنی ہی سنجیدگی اور بے باکی سے اپنے ناولوں میں پیش کیا ہے کہ قارئین اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ پاتے۔ گویا اس مختصر سے مضمون میں شامل ناولوں کا مطالعہ کرنے سے اس بات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اسے خود خواتین نے اپنے ناولوں میں کس انداز سے دیکھا، سوچا اور برتا ہے۔

اکیسویں صدی میں 2000 سے 2020 تک اردو کی خواتین ناول نگاروں کے ناول اپنی نئی صورت حال سے متاثر نظر آتے ہیں اور اخلاقی، اصلاحی، معاشرتی، فکری، نفسیاتی اور خانگی مسائل کے وہ عناصر جو کہیں کھو چکے تھے، وہ ایک نئے رنگ میں ہمارے سامنے آتے ہیں۔ جو نہ صرف موجودہ صورت حال کے معیار ووقار کو برقرار رکھتے ہیں، بلکہ اپنے اس نئے رجحان کے ذریعے تخلیقی ادب کو بھی متاثر کرتے ہیں۔ اس میں صرف موجودہ دور کی ناول نگار شامل نہیں ہیں بلکہ بعض ایسی ناول نگار بھی شامل ہیں جو پرانی تخلیق کار ہیں اور ناول نگاری کے میدان میں اپنا ایک معتبر نام مقام رکھتی ہیں، جس کے نتیجے میں ہمارے سامنے اکیسویں صدی کی ابتدائی دو دہائیوں میں خواتین ناول نگاروں کی ایک طویل فہرست تیار ہو جاتی ہے۔

ساجدہ زیدی: مٹی کے حرم 2000، ناصرہ شرما: زندہ محاورے 2001، خالدہ حسین: کاغذی گھاٹ 2002، بانو قدسیہ: حاصل گھاٹ 2003، ترنم ریاض: مورتی 2004، برف آشنا پرندے 2009، ثروت

خان: اندھیرا ڈگ 2005 نسیم انجم: نرک 2007، عذرا عباس: میں اور موسیٰ 2007، صادقہ نواب سحر: کہانی کوئی سناؤ متاشا 2009، افسانہ خاتون: دھند میں کھوئی روشنی 2009، نجمہ نہیل: اندھیرا ہونے سے پہلے 2010، انجم محمود: جنگل کی آواز 2011، شائستہ فاخری: شہر سے کچھ دور 2012، نادیدہ بہاروں کے نشاں 2013 صدائے عندلیب بر شاخ شب 2014، غزالہ قمر اعجاز: قطرے پہ گہر ہونے تک 2016، نوشابہ خاتون: خزاں کے بعد 2017، فہمیدہ احمد بشیر: طاؤس فقط رنگ 2018، ثروت خان: کڑوے کریلے 2020 وغیرہ اس فہرست میں شامل ہیں۔

ان کے علاوہ اور بھی کامیاب اور اہم ناول ہیں، جن میں ناول نگاروں نے بڑی فنکاری سے ماضی کے ساتھ ساتھ عصری زندگی کے بعض ایسے گوشوں کو ہمارے سامنے پیش کرنے کی کوشش کی ہے جن پر خواتین نے بہت کم لکھا ہے۔ ناول میں تخیل سے کہیں زیادہ انسانی جذبات اور حقائق کی ترجمانی کو پیش نظر رکھنا پڑتا ہے۔ اسی لیے ناولوں میں انسانی جذبات کی بھرپور عکاسی کے نمونے ملتے ہیں۔ 2000 سے 2020 کے دور میں خواتین ناول نگاروں کے شائع شدہ وہ ناول جو میرے زیر مطالعہ رہے ان میں بنیادی طور پر عصری مسائل کے تین اہم پہلوؤں کو دیکھا جاسکتا ہے:

1 خانگی مسائل (Family Issues)

2 نفسیاتی مسائل (Psychological Issues)

3 معاشرتی مسائل (Social Issues)

خانگی مسائل: ان ناولوں میں بعض ناول ایسے ہیں جن میں خانگی مسائل کو وسیع پیمانے پر دکھایا گیا ہے اور موجودہ دور کی عکاسی بھی بڑی ہنرمندی سے کی گئی ہے۔ ان میں بنیادی طور پر خانگی مسائل کے دو اہم پہلوؤں، خاندان کے اندرونی تنازعات اور اس سے پیدا ہونے والے بڑے چیلنجز کو فنی چابکدستی سے پیش کیا گیا ہے جس کو صادقہ نواب سحر کے ناول 'جس دن سے' میں محسوس کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً ناول کا مرکزی کردار 'جیتو' ایک ایسے پریوار سے تعلق رکھتا ہے جس میں اس کا باپ اس کی ماں کو چھوڑ کر دو شادیاں کر لیتا ہے اور اس کی ماں بھی بعد میں کسی دوسرے آدمی کے ساتھ رہنے لگتی ہے۔ ایسے میں جیتو کا اپنے والدین سے باہمی پیار کا رشتہ نہیں بن پاتا اور اس کی پرورش جس ماحول میں ہوتی ہے اس سے اس کا دماغ اکثر مختلف قسم کی الجھنوں سے دوچار رہتا ہے۔ اس کی پڑھائی بھی ٹھیک سے نہیں ہو پاتی۔ ایک بار ساتویں میں اور پھر بارہویں میں فیل ہو جاتا ہے۔ یہی نہیں جب اس کی اپنے باپ سے لڑائی ہوتی تو وہ ماں کے پاس چلا جاتا وہاں بھی اس کو ماں کی شفقت نہیں ملتی کیونکہ وہ ورکنگ ہونے کے ساتھ ساتھ جن کے ساتھ رہتی تھی ان کے معاملات بھی دیکھا کرتی تھیں۔ اس طرح کے حالات نے جیتو کو بہت کٹھور بنا دیا تھا۔

''تو میری عزت نہیں کرتا!' ڈیڈی کا پھر وہی غصہ!
ہاں! نہیں کرتا، کیوں کہ آپ نے شادی کی! وہ آپ کی
بیوی ہیں، میری ماں نہیں!
پتہ نہیں کیسے کیسے میں نے اپنی عمر کے بیس سال تک ڈیڈ
کی مار کھائی ہیں۔۔۔۔'' 1

اس طرح اس ناول میں شوہر اور بیوی کے خراب رشتے اور شوہر کی شادیوں سے بچے کی زندگی کے کرب والم ان کے اکیلے پن اور بے راہ روی کو ناول نگار نے بڑی خوبصورتی کے ساتھ پیش کیا ہے۔

ساجدہ زیدی کے ناول 'مٹی کے حرم' میں بھائیوں کا لالچ جائیداد کو لے کر، رشتوں کی قربانی اور اپنوں کی عیاری کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ کلثوم کے شوہر نے اپنے بڑے بھائی کی شفقت و محبت میں ان کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے اپنی حیات میں ہی انھیں اپنی

جائیداد کا مختارِ کل تو بنا دیا لیکن جیسے ہی اس کا انتقال ہوا کلثوم کے جیٹھ نے اپنی عیاری و مکاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے کلثوم اور اس کی یتیم بچیوں کو جائیداد سے عاق کر کے گھر سے نکال دیا۔

والدین سے متعلق مسائل کو بھی ان میں سے بعض ناولوں میں دکھایا گیا ہے، جن کو ترنم ریاض کے ناول برف آشنا پرندے، ناصرہ شرما کے ناول 'زندہ محاورے' اور عذرا عباس کے ناول' میں اور موسیٰ' میں دیکھا جا سکتا ہے۔ مثلاً ناول 'برف آشنا پرندے' میں نجم کے بڑے بھائی بشیر خان کی اولاد اعلیٰ تعلیم کے لیے ملک سے باہر جاتی ہے لیکن ان کا اپنے گھر کا رخ بہت مشکل سے ہوتا ہے یہاں تک کہ

اپنے والد کے انتقال میں بھی نہیں پہنچتے جس کے سبب ان کی تجہیز و تدفین کا کام بھی پڑوسی ہی انجام دیتے ہیں۔

اولاد کی بے حسی کو اس اقتباس میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ والدین جو اپنی زندگی کی پوری جمع پونجی لگا کر اپنا خون پسینہ ایک کر کے اپنے بچوں کو پڑھاتے ہیں، انھیں اعلیٰ تعلیم کے لیے بیرون ملک بھیجتے ہیں تا کہ وہ بہتر انسان بنیں اور کامیاب زندگی گزار سکیں لیکن وہی بچے جب بہترین ذریعہ معاش حاصل کر لیتے ہیں تو ان کی زندگی میں سب سے پہلے جس کی اہمیت کم ہو جاتی ہے وہ ان کے ماں باپ ہوتے ہیں۔ ایسے میں بے حسی کا عالم یہ ہوتا ہے کہ ماں باپ کی تجہیز و تکفین کے لیے آنا تک انھیں نصیب نہیں ہوتا۔

نفسیاتی مسائل: نفسیاتی مسائل نہ صرف انسانی دماغ، جذبات اور سماجی بہبود (Social Well Being) کو متاثر کرتے ہیں بلکہ ان کے سوچنے کے عمل، محسوس کرنے کا مادہ، آپسی معاملات یا تناؤ کو سنبھالنے کا جذبہ، دوسروں سے تعلق رکھنے اور ساتھ ہی ساتھ اپنی زندگی کے لیے صحت مند انتخاب کرنے کے عمل پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جو ابتدائے آفرینش سے اب تک جاری ہے۔

ناولوں میں نفسیاتی مسائل سے متعلق بنیادی طور پر سماجی نفسیات، خواتین پر اس کے اثرات اور خراب تعلقات کی وجہ سے بچوں پر پڑنے والے اثرات پر زور دیا گیا ہے، جن کو ہم شائستہ فاخری کے ناول 'صدائے عندلیب بر شاخِ شب'، افسانہ خاتون کے ناول 'دھند میں کھوئی روشنی'، ترنم ریاض کے ناول 'مورتی' اور خوشنودہ نیلوفر کے ناول 'آ وٹرم لین' وغیرہ میں دیکھ سکتے ہیں۔ جیسے ناول 'صدائے عندلیب بر شاخ شب' میں شائستہ فاخری نے 'نازنین' کے ذریعے ایک ایسی لڑکی کی زندگی کو پیش کیا ہے، جس کی شادی تو ہوتی ہے لیکن شادی کے بعد ازدواجی زندگی کی جو آسائشیں ہوتی ہیں مثلاً شوہر کی معیت اس کے ساتھ وقت گزارنا، ایک خوشحال زندگی بسر کرنا وغیرہ نصیب نہ ہو سکیں۔ کشو نازنین کا شوہر بزنس کے سلسلے میں اکثر ملک سے باہر رہتا ہے اور نازنین گھر پر اکیلی اس کو یاد کرتی رہتی ہے۔ ہفتے یا مہینے میں کبھی گھر آتا بھی تو دونوں کے تعلقات اچھے نہ رہتے، اکثر لڑائیاں ہو جایا کرتیں۔ لہٰذا وہ ان سب چیزوں سے عاری تھی جن کی ایک عام لڑکی اپنی شادی کے بعد خواہش مند ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی کشو کی خود غرضی و بے پروائی اسے ایک نفسیاتی مریضہ بننے پر مجبور کر دیتا ہے۔ ایسے میں وہ اپنے اکیلے پن کو دور کرنے کے لیے بستی میں رہنے والی 'ستارہ' میں اپنی زندگی کا مقصد تلاش کر لیتی ہے۔ کیونکہ وہ اپنے اکیلے پن کے باوجود خود کے وجود کو اپنے شوہر کی پہچان سمجھتی تھی اور اسے ایسا سمجھنے کے لیے اس کے معاشرے نے، معاشرے کے لوگوں نے اور خود اس کے شوہر نے مجبور کیا ہے کہ تمھاری پہچان، تمھاری حفاظت، تمھارے شوہر کی وجہ سے ہے، تمھاری جو زندگی ہے تار اجو وجود ہے وہ تمھارے شوہر کی امانت ہے اور اس کی ہی ضمانت ہے۔

ناول 'نادیدہ بہاروں کے نشاں' میں انسانی نفسیات کی پیچیدگیوں کو ناول کے کرداروں کے اندرونی جذبات اور تجربات کے ذریعے پیش کیا گیا ہے۔ مثلاً: عیان مرزا شک کی بنا پر اپنی شریک حیات علیزہ جس سے وہ بہت محبت کرتا ہے کو طلاق دے دیتا ہے اور حقیقت سے روبرو ہونے پر اسے اپنے اس عمل پر بہت شرمندگی و پشیمانی ہوتی ہے کہ جذبات میں بہہ کر اس نے اپنے ایک اچھے اور خوبصورت رشتے کو خراب کر لیا۔ اس کے بعد سب سے پہلے وہ اپنے اس گناہ کی پردہ پوشی کرنا چاہتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ اس کے ازالہ کے لیے ایک ایسا کام کرتا ہے جو آنے والے دنوں میں اس کی بیوی کی پوری زندگی کو تباہ و برباد کر دیتا ہے اور اسے واقعتاً ایک نفسیاتی مریضہ بننے پر مجبور کر دیتا ہے۔ اس گناہ کو ہمارے معاشرے میں 'حلالہ' کا نام دیا جاتا ہے۔

حلالہ ایک ناسور ہے۔ شریعت اسلامی نے اسے ملعون قرار دیا

ہے، جس سے نہ صرف اس انسان کی زندگی تباہ و برباد ہوتی جس نے یہ عمل کیا بلکہ اس انسان سے جڑے تمام لوگ ذہنی ونفسیاتی مرض کا شکار بھی ہو سکتے ہیں۔ان ہی معاملات کو اس ناول میں بڑے سلیقے سے بیان کیا گیا ہے جس سے قاری نہ صرف خود کو ہم آہنگ کرتے ہیں بلکہ اپنے اطراف وجوانب کے معاملات کو بھی محسوس کر پاتے ہیں۔علیزہ کی نفسیاتی کیفیت کا اندازہ ناول کے اس اقتباس سے لگایا جا سکتا ہے:

''گم سم اپنے آپ میں ڈوبی، بکھرے بال، ویران آنکھیں اور زرد چہرے والی۔ پگلی سی دکھنے والی علیزہ کو دونوں مردوں نے مل کر عدت پوری کرنے کے لیے اس طرح کمرے میں لے جا کر چوکی پر بٹھایا جیسے مانجھے میں لے جا کر دلہن بٹھائی جاتی ہے''2

اس طرح ایک ہنستی کھیلتی، اپنی زندگی کے خوبصورت رشتوں میں مگن لڑکی، جس کی زندگی میں سو طرح کے اتار چڑھاؤ تھے مگر محبت کرنے والے اپنے شوہر کے ساتھ اس کے ہر برے برتاؤ کے باوجود نباہ کر رہی تھی۔ وہ اچانک اپنے شوہر کے اس گناہ سے بکھر کر تباہ و برباد ہو جاتی ہے اور اس کی حالت ایک زندہ لاش سے زیادہ کچھ نہیں رہتی۔

معاشرتی مسائل: خانگی مسائل اور نفسیاتی مسائل کے ساتھ ساتھ موجودہ دور کی زیادہ تر خواتین ناول نگاروں نے اپنے ناولوں میں معاشرتی مسائل کو بھی سنجیدگی سے پیش کیا ہے۔جن میں پدرانہ نظام (Patriarchy) کے مسائل کے ساتھ اس کی بدلتی ہوئی نوعیت، خواتین کو درپیش عصری مسائل اور معاشرے کے لیے جو عصری چیلنجز ہیں مردانہ شاونزم (Male Chauvinism) تانیثیت (Feminism) ذات پات، امیر و غریب کا فرق اور خواجہ سراؤں کی زندگی سے متعلق مسائل وغیرہ شامل ہیں۔مثلاً ناول 'کاغذی گھاٹ' میں جاگیردارانہ اور سرمایہ دارانہ طبقہ کی تصویر کشی، ناول 'میں اور موسیٰ' میں امیر و غریب میں فرق کے سبب بستیوں کا اجڑنا، اور ناول 'نرک' میں خواجہ سراؤں کی زندگی میں درپیش مختلف معاملات وغیرہ جیسے معاشرتی مسائل شامل ہیں۔

بعض مرد اپنے معاشرتی اور ثقافتی اختیار کا استعمال کر کے خواتین کی آزادی اور فطرت نے جو انھیں حقوق عطا کیے ہیں، ان کو دبانے کی کوشش کرتے ہیں۔مثلاً کچھ کرداروں کی جانب سے عورتوں کی تعلیم، روزگار یا فیصلہ سازی میں مداخلت کرنا وغیرہ۔اس رویے کو اصطلاح میں 'میل شاونزم (Male Chauvinism)' کہتے ہیں، جن کی مثالیں مختلف ناولوں میں خواتین ناول نگاروں نے اپنے ناولوں کے مرد کرداروں کے ذریعے ان کی سوچ، ان کی طاقت اور عورتوں پر بے جا استبداد کے مختلف طریقوں کو پیش کیا ہے۔جیسے ناول 'حاصل گھاٹ' میں ارجمند جو شادی کے بعد امریکہ شفٹ ہو جاتی ہے اور اپنی والدہ کے انتقال کے بعد والد کو اپنے پاس بلا لیتی ہے کے ابا جی اس کے کپڑے پہننے کے طریقے، اس کے نوکری کرنے، رہن سہن، بچے کی پرورش اور گھر کے کام وغیرہ پر اکثر و بیشتر ٹوکتے رہتے ہیں اور مرد سے گھر کے کام کرانے کو عورت کی بے لحاظی سمجھتے ہیں لیکن ارجمند اپنے والد کے اعتراضات سے متاثر نہیں ہوتی۔

''ہر وہ آدمی جو Male Chauvinism میں یقین رکھتا ہے ایسے ہی سمجھتا ہے ابو کہ مرد مظلوم ہے اور عورت آپے سے باہر ہو رہی ہے۔۔۔۔ یہ عورت سے بے انصافی ہے۔سراسر بے انصافی عورت سو جوتیاں بھی کھا رہی ہے اور سو پیاز بھی۔

لیکن اپنی مرضی سے اپنی چوائس سے' میں عرض کرتا ہوں۔آپ کی سوچ ٹیڑھی ہے ابو۔۔۔۔ پلیز سیدھا سوچنا شروع کریں۔۔۔۔ وقت بدل چکا ہے۔اب پتھر اور دھات کا زمانہ نہیں۔''3

ہمارے معاشرے میں اگر کوئی عورت کبھی اس طرح کا احتجاج کرتی ہے تو وہ فوراً بدتمیز بد لحاظ کہلانے لگتی ہے۔اس لیے یہاں عورت کو اپنے ان تمام حقوق کے حصول کے لیے جو فطرت نے اسے عطا کیے ہیں، کئی طریقوں سے مردوں کے ساتھ ساتھ میل ڈومیننٹ سوسائٹی Male Dominant Society کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے جہاں پر وہ اپنے ہی گھر میں اپنے باپ یا شوہر کے کسی معاملے، کسی فیصلے پر احتجاج کرتی ہے یا مکالمہ کرتی ہے تو یہ معاشرہ اسے بداطوار یا بے ادب قرار دیتا ہے۔لہٰذا ارجمند اپنے باپ کی مردانہ ذہنیت سے ادب کے دائرے میں احتجاج کرتی ہے اور تہذیب کا دائرہ قائم رکھتے ہوئے اپنے حق کو بھی حاصل کرنا جانتی ہے۔گویا اس طرح کے ناولوں

میں یہ دکھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ کس طرح خواتین ان چیلنجز کا مقابلہ کرتی ہیں اور سماج کو ایک طاقتور پیغام بھی فراہم کرتی ہیں۔

ان کے علاوہ معاشرتی مسائل کا ذکر کرتے ہوئے عصر حاضر میں ایک اہم نظریہ 'تانیثیت' کا بھی ہے، جسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اس میں مرد اور عورت کے درمیان سماجی، سیاسی، معاشی اور اقتصادی طور پر عدم مساوات کو دیکھا جاسکتا ہے۔ مثلاً ناول 'اندھیرا پگ' میں ثروت خان نے راجستھان کے کلچر، تہذیبی اقدار اور ثقافتی نظام سے متاثر ہوکر وہاں کے لوگوں کے رہن سہن، طور طریقے، رسم و رواج، سماجی و تہذیبی امور اور ان کے اصول وضوابط کی پاسداری وغیرہ کو بے حد موثر انداز میں پیش کیا ہے۔ روپی ناول کا مرکزی کردار کم عمری میں شادی ہوجاتی ہے اور وہ بیوہ ہوجاتی ہے جس کی وجہ سے اس کا سر منڈوا کر ایک بدرنگ ساڑی میں، شاندار حویلی ہونے کے باوجود تنگ وتاریک، سیلن زدہ، بدبودار اور چاروں طرف سے بند کوٹھری میں سماجی رسوم کے تحت غیر انسانی سطح پر زندگی گزارنے کے لیے مجبور کیا جاتا ہے اور کوئی خیر خبر لینے والا بھی نہیں ہوتا جسے دیکھ کر ماں کی ممتا بے چین ہواٹھتی ہے اور وہ اپنی نند راج کنور کو جوشہر میں رہتی ہے، خط لکھتی ہے کہ وہ روپی کو آکر لے جائیں۔ روپی شہر جاکر ڈاکٹر کے امتحان میں ٹاپ 10 میں پانچویں رینک حاصل کرتی ہے جس کی خبر گاؤں میں ہوجاتی ہے تو خوب ہنگامہ ہوتا ہے اور روپی کے خاندان والے راج کنور کے انتقال کرجانے پر روپی کو پھر سے اس اندھیرے پگ سے گزرنے پر مجبور کردیتے ہیں۔ اس طرح بیوگی کے سبب اپنے سگوں کے ذریعے ہونے والا یہ قبیح رویہ اس کے اندر تانیثی بغاوت پیدا کردیتا ہے اور وہ گھر چھوڑ کر چلی جاتی ہے۔

"آخر ایک روز اس نے موقع دیکھ کر دھونی کو ایک پرچہ تھمایا اور سخت ہدایت دی کہ کسی کو نہ دکھائے۔ سیدھے راجکمار کی مدد لے اور شہر کے پولیس تھانے میں جاکر، یہ پرچہ وہاں دے دے۔۔ دھونی نے جب دریافت کرنا چاہا کہ اس میں لکھا کیا ہے تو روپی نے اتنا کہا۔۔
اس سے ہمیں نیائے ملے گا۔ بس تو اتنا سمجھ اور یہ کام بڑی چترائی سے کرنا، مردانے کا پہرہ سخت ہے، ڈرنا بالکل نہیں۔۔۔ میں تیرے ساتھ ہوں"۔4

اس طرح ایک دن وہ اپنے ہی گھر والوں کے خلاف پولیس میں رپورٹ کرواتی ہے اور جب پولیس بھی دھوکا دیتی ہے تو وہ اپنی نوکرانی دھونی کو لے کر حویلی چھوڑ جاتی ہے اور کوئی اسے روک تا بھی نہیں۔

اکیسویں صدی کے ناولوں کے اس مختصر سے جائزے کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اردو ادب میں خواتین ناول نگاروں کا کردار بے حد اہم رہا ہے۔ انھوں نے نہ صرف ادب کو نئے زاویے اور موضوعات دیے بلکہ معاشرتی مسائل، خواتین کے حقوق اور زندگی کی پیچیدگیوں کو اپنے منفرد انداز میں پیش کیا ہے۔ ان کی تحریریں اردو ادب کی ترقی میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں اور آج بھی نئی نسل کی خواتین قلم کاروں کے لیے مشعل راہ ہیں۔ ان کی تخلیقات نے نہ صرف ادب میں خواتین کی حیثیت کو مضبوط و مستحکم کیا بلکہ قارئین کو بھی ایک نئی سوچ اور فکر دی ہے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ خواتین ناول نگاروں نے صرف عورتوں کے اوپر یا صرف عورتوں کے مسائل پر ہی ناول نہیں لکھے ہیں بلکہ انھوں نے اس میدان میں اپنا دائرہ بڑھاتے ہوئے دوسرے موضوعات مثلاً : فرد کی تنہائی، اقدار و روایت کی ٹوٹتی بکھرتی شکلیں، تعلیمی بیداری، اولڈ ایج ہوم کلچر، جنسی جبر وتشدد، نئی نسل کا ذہنی انتشار اور منفی رویہ، نفسیاتی الجھن، فرقہ وارانہ تصادم، سیاسی تشدد وغیرہ کو بھی اپنے ناولوں میں جگہ دی ہے۔ مجموعی طور پر 21ویں صدی کی خواتین ناول نگاروں کے یہاں موجود تمام پہلوؤں اور جہتوں کو مختلف اسالیب میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

حواشی

1 جس دن سے، ص67-68
2 نادیدہ بہاروں کے نشاں، ص79
3 حاصل گھاٹ، ص44
4 اندھیرا پگ، ص150

Waseema Akhtar
F-202, Shaheen Bagh
Abul Fazal Enclave, Part 2
Okhla, Jamia Nagar
New Delhi-110025

شاداب تبسم

سائنس کی دنیا میں خواتین کا کردار

خواتین اور سائنس ایک ایسا موضوع ہے جو انسانی تاریخ میں خواتین کی صلاحیتوں ان کی جدو جہد اور کامیابیوں کو اجاگر کرتا ہے۔ تاریخ کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ صدیوں تک خواتین کو علمی و تحقیقی میدان سے دور رکھا گیا۔ان پر سماجی ،ثقافتی اور صنفی پابندیاں عائد کی گئیں۔ان کی ذہانت اور تخلیقی صلاحیتوں کو نظر انداز کیا گیا۔ وقت گزرنے کے بعد خواتین نے اپنی محنت ،عزم اور لگن کے ذریعے ان رکاوٹوں کو عبور کیا اور سائنس و ٹیکنالوجی کی دنیا میں انقلاب برپا کیا۔آج سائنس کے ہر شعبے میں خواتین کی شاندار کارکردگی نہ صرف ان کی ذہنی برتری کو ظاہر کرتی ہے بلکہ یہ بھی ثابت کرتی ہے کہ ترقی کا سفر صنفی امتیاز سے آزاد ہوتا ہے۔میری کیوری کی ریڈیم کی دریافت سے لے کر ناسا کے خلائی مشنوں میں شامل خواتین سائنسدانوں تک کی تمام کہانیاں نہ صرف حوصلہ افزا ہیں بلکہ آنے والی نسلوں کے لیے مشعل راہ بھی ہیں۔

زمانہ قدیم سے ہی سائنس کی دنیا میں خواتین نے اہم رول ادا کیا ہے۔شعبۂ طب میں خواتین سائنسدانوں کی کارکردگی کا ذکر ابتدائی تہذیبوں میں ملتا ہے۔ پہلی اور دوسری صدی عیسوی میں کیمیا کی ابتدائی تاریخ میں خواتین نے اہم کردار ادا کیا ہے۔تقریباً تین ہزار سال قبل تپوئی بیلاتکلی (Tapputi Belatekulli) قدیم ترین معروف کیمیا گر اور خوشبو ساز تھیں۔وہ تقریباً1200 قبل مسیح میں قدیم میسوپوٹامیا (موجودہ عراق) کے علاقے میں رہتی تھیں۔ تپوئی کا ذکر قدیم بابلی تختیوں پر موجود تحریروں میں ملتا ہے جو آج کل عجائب گھروں میں محفوظ ہیں۔سائنسی تاریخ میں طب کی پہلی ماہر بھی قدیم مصر کی پیسشت (Peseshet) نامی خاتون تھیں۔جن کو Lady Overseer of Female Physician کا لقب دیا گیا۔

Alexandria سے تعلق رکھنے والی Haypatia دنیا کی پہلی ریاضی داں خاتون ہونے کے ساتھ ماہر فلکیات بھی تھیں۔ وہ یونانی فلسفہ اور سائنس کی تاریخ میں اہم مقام رکھتی ہیں۔1786 میں دنیا کی پہلی ماہر فلکیات Caroline Hershel جرمن خاتون تھیں جنھوں نے ایک شہاب ثاقب دریافت کیا تھا۔ماہر ریاضی Adalovelace نے 1843 میں Analytical Engine کے لیے Algeritham تیار کیا جسے جدید کمپیوٹر کا پہلا پروگرام تسلیم کیا جاتا ہے۔

سائنس کی دنیا سے وابستہ ایک اہم نام Marie curie کا ہے۔میری کیوری واحد شخصیت ہیں جنھوں نے دو مختلف سائنسی شعبوں میں نوبل انعام حاصل کیا۔ پہلا انعام 1903 میں فزکس میں ریڈیو ایکٹیوٹی پر تحقیق کے لیے اور دوسرا 1911 میں کیمسٹری میں ریڈیم اور پولونیم کی دریافت اور اس کی خصوصیات پر کام کرنے کے لیے۔آسٹریلیا سے طبعیات سے تعلق رکھنے والی ماہر نے نیوکلیئر فشن (Fission) کی دریافت میں اہم کردار ادا کیا۔

1963 میں ماریا گو پیرٹ میئر کو مشترکہ طور پر نوبل انعام برائے فزکس دیے جانے کے بعد کینڈا سے تعلق رکھنے والی خاتون ڈانا سٹریکلینڈ کو 2018 میں فزکس کے نوبل انعام سے نوازا گیا۔ انھیں یہ انعام گرارڈ مورو(Gerard Maura) کے ساتھ مشترکہ طور پر دیا گیا۔اس طرح ڈونا سٹریکلینڈ نوبل انعام حاصل کرنے والی تیسری خاتون فزسسٹ ہیں۔جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ فزکس کے میدان میں سب سے پہلے 1903 میں نوبل انعام حاصل کرنے والی ماری کیور تھیں۔ سائنس کی دنیا میں کامیاب خواتین میں روزا لینڈ فرینکلن کا نام ڈی۔این۔اے کے ڈبل ہیلکس کی ساخت کو دریافت کرنے اور ریتا لیوی۔مونٹا لچینی نرو گروتھ فیکٹر کی دریافت کے لیے نوبل انعام حاصل کرنے والوں کی فہرست میں شامل ہیں۔

قدیم ادوار میں عموماً خواتین کو تعلیم حاصل کرنے کے مواقع میسر نہیں تھے۔جب گیارہویں صدی میں پہلی مرتبہ جامعات کا قیام عمل آیا ہوا تو بیشتر خواتین یونیورسٹی کی تعلیم سے دور رہیں۔ اٹھارہویں صدی میں عموماً شعبہ ہائے زندگی کے کردار متعین تھے۔ اس کے باوجود خواتین نے سائنس کے میدان میں بہت زیادہ پیش رفت کی۔اٹلی کے طبی شعبوں میں خواتین کو تعلیم فراہم کرنے کا رویہ دیگر مقامات کے مقابلے میں مختلف تھا۔شعبہ سائنس کی تعلیم میں یونیورسٹی نشست (یونیورسٹی چیئر) حاصل کرنے والی پہلی خاتون اطالوی سائنسداں لارا بسّی تھیں۔انیسویں صدی میں خواتین رسمی سائنسی تعلیم سے دور تھیں لیکن تعلیمی تنظیموں سے وابستہ ہونے لگیں۔

19 ویں صدی کے آخر میں خواتین میں تعلیم حاصل کرنے کے رجحان میں اضافہ ہوا۔ انھیں ملازمت کرنے اور تدریس کے مواقع میسر آئے۔اس طرح 1901 سے 1910 کے عرصے میں چالیس خواتین کو نوبل انعام سے نوازا گیا اور 1970 اور 1980 کی دہائیوں میں خواتین سائنسدانوں کے تعلق سے متعدد کتابیں اور مضامین لکھے گئے۔ 1985 میں کوالیوسکائیا فنڈ (Kovalivskaia fund) اور 1993 میں سائنس میں خواتین کی تنظیم برائے ترقی پذیر ممالک (Organization for women in science for developing world) کے قیام نے خواتین کے پہلے سے دبے کرداروں کو اجاگر کیا لیکن آج بھی ترقی پذیر ممالک میں خواتین اور سائنس کے حوالے سے معلومات کی عدم دستیابی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

ہندوستان جیسے ترقی پذیر ملک میں اگر خواتین سائنسدانوں کے کردار پر گفتگو کی جائے تو ایک طویل فہرست ہمارے سامنے آتی ہے۔ہندوستانی خواتین نے سائنس کے مختلف شعبوں میں کارہائے نمایاں انجام دیے۔اس مختصر سے مضمون میں تمام کا ذکر کرنا تو ناممکن ہے لیکن چند خواتین سائنسدانوں کا ذکر ناگزیر ہے۔

گزرتے وقت کے ساتھ تعلیم کے معیار میں ترقی ہوئی اور خواتین نے بھی تعلیم حاصل کرکے سائنس اور ٹیکنالوجی میں کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں۔کسی یونیورسٹی میں تدریسی عہدے پر فائز ہونے سے لے کر ڈاکٹریٹ کی سند حاصل کرنے والی پہلی خاتون ہونے کا شرف حاصل کرنے تک تمام خواتین نے آگے آنے والی نسلوں کے لیے راہیں ہموار کیں اور تحریک کا باعث بنیں۔آنندی بائی گوپال راؤ جوشی پہلی ہندوستانی معالج خاتون تھیں۔ان کا تعلق کلوا مہاراشٹر سے تھا۔ان کی شادی نو سال کی عمر میں 20 سالہ گوپال راؤ جوشی سے ہوئی جو خود تعلیم کے بڑے حامی تھے اور آنندی بائی کو تعلیم کی ترغیب دیتے تھے۔14 سال کی عمر میں انھوں نے ایک بیٹے کو جنم دیا لیکن مناسب طبی سہولت کی کمی کی وجہ سے وہ بہت جلد انتقال کر گیا۔ اس واقعے سے ان کے دل پر گہرا اثر ہوا اور انھوں نے میڈیکل کی تعلیم حاصل کرنے کا عزم کیا۔ انھوں نے 1886 میں ویمنز میڈیکل کالج آف پنسلوانیا، امریکہ میں تعلیم حاصل کی۔

جانکی امال 1977 میں پدم شری ایوارڈ حاصل کرنے والی پہلی ہندوستانی خاتون سائنسداں تھیں۔انھوں نے کیرالہ سے ماسٹر کی ڈگری حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے مشی گن یونیورسٹی، امریکہ گئیں۔ان کا مشہور سائنسی تحقیقی کام گنے (Sugarcane) اور بیگن (Brinjal) پر ہے۔

کملا سوہنی پہلی ہندوستانی خاتون تھیں جنھیں پروفیسر سی۔ وی۔رمن کی پہلی طالبہ ہونے کا شرف حاصل رہا۔ سائنسی شعبہ میں پی۔ایچ۔ڈی کرنے والی پہلی ہندوستانی خاتون ہونے کا شرف بھی انھیں ہی حاصل ہے۔

راجیشوری چٹرجی ریاست کرناٹک کی پہلی خاتون انجینئر تھیں۔ انھیں 1946 میں بیرون ملک تعلیم حاصل کرنے کے لیے سرکاری وظیفہ ملا تھا اور مشی گن یونیورسٹی امریکہ سے الیکٹریکل انجینئرنگ کے شعبے سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ ہندوستان واپس آکر انڈین انسٹی ٹیوٹ آف سائنس بنگلور میں الیکٹریکل کمیونی کیشن اور انجینئرنگ کے شعبہ میں بطور فیکلٹی ممبر شامل ہوئیں۔ انھوں نے مائکروویوٹکنالوجی، ریڈیو انجینئرنگ اور کمیونی کیشن سسٹمز جیسے اہم موضوعات پر تحقیق کی۔

ڈاکٹر اندرا ہندوجا ایک ہندوستانی ماہر امراض نسواں (Gynaeologist) ماہر تولیدی طب اور ماہر زچگی ہیں۔ وہ بھارت کی پہلی ٹیسٹ ٹیوب کے کامیاب عمل کی بانی ہیں اور تولیدی سائنس میں جدید تکنیک کو متعارف کرانے میں ماہر ہیں۔

لکھنؤ سے تعلق رکھنے والی ریتو کریدھل کو ہندوستان کے سب سے بڑے قمری پروجیکٹوں میں سے ایک چندریان۔2 مشن کی ڈائرکٹر کے طور پر جانا جاتا ہے۔ ''راکٹ ویمن آف انڈیا'' سے مشہور ریتو نے 2007 میں ISRO میں شمولیت اختیار کی اور ہندوستان کے مارس آربیٹر مشن منگلیان کی ڈپٹی آپریشن ڈائرکٹر بھی تھیں۔ ریتو کریدھل کو 2007 میں ہندوستان کے صدر جمہوریہ ڈاکٹر اے پی جے عبدالکلام کے ہاتھوں سے ''اسرو ینگ سائنٹسٹ ایوارڈ'' بھی ملا۔ چینئی سے تعلق رکھنے والا متھیا ونیتا چندریان۔2 پروجیکٹ ڈائرکٹر کی حیثیت سے ISRO میں سیاروں کے مشن کی قیادت کرنے والی پہلی ہندوستانی خاتون ہونے کا امتیاز رکھتی ہیں۔ انھوں نے تین دہائیوں سے زیادہ عرصے سے ISRO میں کام کیا۔ انھیں 2006 میں بہترین خاتون سائنسداں کا ایوارڈ ملا۔

گگن دیپ کا گن کا تعلق تمل ناڈو سے ہے۔ وہ ایک ہندوستانی وائرولوجسٹ، ماہر امراض اور سائنسداں ہیں۔ وہ طبی تحقیق اور خاص طور سے انفیکشنز اور ویکسینز کے میدان میں اپنی خدمات کے لیے مشہور ہیں۔ انھوں نے میڈیکل کی ڈگری کرسچن میڈیکل کالج ویلور سے حاصل کی۔ وہ رائل سوسائٹی (FRS) کی فیلوشپ کے لیے منتخب ہوئیں۔ FRS دنیا کا سب سے قدیم سائنسی ادارہ ہے اور سائنس میں ترقی کو فروغ دینے کے لیے وقف ہے۔ گگن دیپ ٹرانسلیشن ہیلتھ سائنس اینڈ ٹکنالوجی انسٹی ٹیوٹ فرید آباد کی ایگزیکیوٹو ڈائرکٹر ہیں اور WHO کے جنوبی مشرقی ایشیا کے امیونائزیشن ٹیکنیکل ایڈوائزری گروپ کی چیئرپرسن ہیں۔ اس کے علاوہ مختلف تحقیقی کام بھی کر رہی ہیں۔ اتر پردیش کے امروہہ سے تعلق رکھنے والی خوشبو مرزا بھی ایک خاتون سائنسداں ہیں۔ وہ 2006 سے ISRO میں الیکٹرنک انجینئر ہیں۔ انھوں نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کی۔ خوشبو مرزا امروہہ میں چاند پر جانے والی خاتون کے نام سے جانی جاتی ہیں۔ ISRO کے چندریان۔1 اور چندریان۔2 مشن ٹیم کی رکن تھیں۔

ثمینہ شاہ Thomas Ruiters نیویارک میں سینئر ریسرچ سائنسداں ہیں۔ ان کو 2009 کا ''گوگل انڈیا ویمن ان انجینئرنگ ایوارڈ'' مل چکا ہے۔ ثمینہ شاہ نے Artificial Intelligence میں آئی۔آئی۔ٹی۔ دہلی سے پی۔ایچ۔ڈی کی ہے اور بڑے پیمانے پر کام کیا ہے۔ انھوں نے کمپیوٹرائزڈ کاگنیٹیو سیکھنے کے لیے الگوریدھم پیش کیا۔ اسے انھوں نے اپنی ٹیم کے ساتھ آئی آئی ٹی دہلی میں تیار کیا۔

عفیفہ مریم ہندوستان کی پہلی کم عمر نیورو سرجن ہیں۔ حیدرآباد سے تعلق رکھنے والی عفیفہ مریم دسویں کلاس میں گولڈ میڈلسٹ رہیں۔ انھوں نے صرف 27 سال کی عمر میں سرجری کی اعلیٰ سند حاصل کی اور کئی لڑکیوں کے لیے مشعل راہ بنیں۔ انھوں نے عثمانیہ میڈیکل کالج اینڈ جنرل ہاسپٹل سے ایم بی بی ایس کی تعلیم حاصل کی جس میں انھوں نے 5 گولڈ میڈل حاصل کیے۔ بعد ازاں 2017 میں ڈاکٹر مریم نے مخصوص کورس ایم۔ایس۔ جنرل سرجری میں عثمانیہ میڈیکل کالج میں ہی فری سرکاری سیٹ حاصل کی۔ اس طرح انھوں نے ایم بی بی ایس اور ایم۔ایس کے بعد نیورو سرجری میں بھی باوقار ادارہ عثمانیہ میڈیکل کالج سے سرجری کی اعلیٰ تعلیم M.ch کی ڈگری حاصل کی۔ 2019 میں رائل کالج آف سرجن، انگلینڈ سے ایم آر سی ایس کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد 2020 میں ڈی این بی جنرل سرجری کی ڈگری مکمل کی۔ عفیفہ مریم کا تعلق متوسط گھرانے سے ہے۔ ان کی کامیابی نے خواتین کے لیے ایک نئی راہ ہموار کی ہے۔ محنت اور لگن نے ثابت کر دیا کہ محنت اور سچی کوشش سے اپنے مقصد کو حاصل کیا جاسکتا ہے۔

بشریٰ عتیق ہندوستان کی معروف سائنسداں ہیں جو آئی آئی ٹی

کانپور میں بایولوجیکل سائنسز اور بایو انجینئرنگ کے شعبے میں پروفیسر اور سینئر فیلو ہیں۔ ان کی تحقیقی دلچسپی کینسر، بایولوجی اور مالیکیولر آنکالوجی میں ہے۔ خاص طور پر جینیاتی اور ایپی جینیاتی تبدیلیوں کی تلاش جو کینسر کے آغاز اور ترقی کا باعث بنتی ہیں۔ انھیں 2020 میں شانتی سوروپ بھٹناگر ایوارڈ سے نوازا گیا، اس کے علاوہ دیگر متعدد ایوارڈ بھی ان کے نام ہیں۔ انھوں نے اعلیٰ تعلیم اور ڈاکٹریٹ کی ڈگری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے حاصل کی۔

نگار شاجی، جن کا تعلق تمل ناڈو سے ہے، ہندوستان کے پہلے شمسی مشن آدتیہ۔ ایل 1 کی پروجیکٹ ڈائرکٹر ہیں۔ انھوں نے 1987 میں انڈین اسپیس ریسرچ آرگنائزیشن (ISRO) میں شمولیت اختیار کی اور مختلف سیٹلائٹ پروگراموں میں اہم کردار ادا کیا۔ شاجی نے مدورائی کامراج یونیورسٹی سے الیکٹرنک اور کمیونی کیشن میں بیچلر کی ڈگری اور برلا انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی رانچی سے الیکٹرانکس میں ماسٹرز کی ڈگری حاصل کی۔ انھوں نے اسرو (ISRO) میں اپنی 35 سالہ وابستگی کے دوران مختلف ذمے داریاں بخوبی انجام دیں۔ شاجی کی قیادت میں آدتیہ۔ ایل 1 مشن نے سورج کے مشاہدے اور مطالعے کے لیے اہم پیش رفت کی جو ہندوستان کی خلائی تحقیق میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔

موجودہ دور میں خواتین سائنس کے ہر شعبے میں موجود ہیں۔ چاہے وہ انجینئرنگ کا شعبہ ہو، بایوٹیکنالوجی کا ہو، یا خلائی تحقیق اور طب کا شعبہ ہو۔ ناسا کی ٹیم میں بھی خواتین سائنسدانوں کا کردار اہم رہا ہے۔ کئی خواتین نے بین الاقوامی اسپیس اسٹیشن تک سفر بھی کیا ہے۔

ان کے علاوہ متعدد نام خواتین سائنسداں کے ایسے ہیں جن کو کبھی بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ مثلاً کلپنا چاولا، سنیتا ولیمز، کملا سوہونی، ادیتی پنت، کمل رنا دیو، ٹیسی تھامس، متھیا ونیتا، منگلا منی، کاماکشی شورا ما کرشنن، چندریما شاہ کے علاوہ ایران کی خاتون سائنسداں مریم مرزا خانی وغیرہ کے کارناموں کو سائنس کی دنیا میں فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

خواتین سائنسدانوں کے حوالے سے مختلف بین الاقوامی ادارے اور تنظیمیں تحقیقی کام انجام دے رہے ہیں۔ یہ مطالعات نہ صرف خواتین کے سائنسی کردار اور ان کی کامیابیوں کو اجاگر کرتے ہیں بلکہ صنفی مساوات کے حوالے سے موجودہ چیلنجز کی نشاندہی بھی کرتے ہیں۔ مثلاً یونیسکو نے اپنی سالانہ رپورٹ میں خواتین کی شمولیت کا جائزہ پیش کیا ہے۔

Women in Science: رپورٹ 2023 میں بتایا گیا ہے کہ عالمی سطح پر سائنسی تحقیق میں خواتین کا حصہ 30 فیصد سے کم ہے۔ لیکن کچھ خطوں میں یہ شرح بڑھ رہی ہے۔ World economic forum کی رپورٹ صنفی مساوات کے مختلف پہلوؤں بشمول سائنس ٹیکنالوجی، انجینئرنگ اور ریاضی (STEM) کے شعبے میں خواتین کی شمولیت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ یوروپی یونین کی ریسرچ رپورٹ میں خواتین سائنسدانوں کو درپیش مالی، سماجی اور ادارہ جاتی مشکلات کی نشاندہی کی گئی ہے۔ 2019 میں شائع ہونے والی She figures رپورٹ نے سائنسی اداروں میں خواتین کی نمائندگی کے گراف اور صنفی امتیاز کا تجزیہ کیا ہے۔ نیشنل سائنس فاؤنڈیشن (NFS) کی رپورٹ نے امریکی خواتین سائنسدانوں کے اعداد و شمار اور مسائل کو پیش کیا۔ خواتین سائنسدانوں پر مطالعات عالمی سطح پر سائنس میں خواتین کے کردار کو مزید بہتر بنانے کی راہیں ہموار کرتے ہیں اور صنفی مساوات کی ضرورت کو اجاگر کرتے ہیں۔

خواتین نے ہمیشہ جد و جہد اور عزم کے ذریعہ اپنی صلاحیتوں کا یقین دلایا۔ اگرچہ تاریخی طور پر ان کی صلاحیتوں کو کمتر سمجھا گیا لیکن موجودہ دور میں ان کی کامیابی اس بات کی غماز ہے کہ مساوی مواقع فراہم کیے جائیں تو خواتین ہر میدان میں کامیابی حاصل کر سکتی ہیں۔ مختصراً ہم کہہ سکتے ہیں کہ خواتین کی دریافت، تجربات اور ان کی کامیابیوں سے نہ صرف سائنس کو ترقی ملی بلکہ سماج میں برابری اور شمولیت کے تصور کو بھی فروغ حاصل ہوا۔ سائنس کی دنیا میں خواتین کی داستان محض ایک کامیابی کی علامت نہیں ہے بلکہ حوصلہ، لگن اور امید کی علامت ہے۔

□□□

Dr.Shadab Tabassum
Assistant Professor
Dept.of Urdu
Jamia Millia Islamia
New Delhi-110025

ترنم منصوری

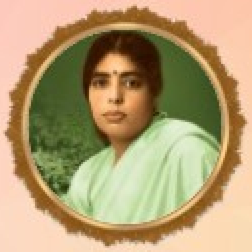

ہندوستان کی پانچ معروف خواتین سائنسداں

ہندوستان قدیم زمانے سے ہی سائنس اور ریاضی کے میدان میں اپنی بھرپور شراکت کے لیے مشہور ہے۔ اس کے علاوہ ہر دور میں ٹیکنالوجی نے بھی وقت کے ساتھ ساتھ بہت ترقی کی ہے۔ مگر یہ ترقی سائنسدانوں کے تعاون کے بغیر ممکن نہیں تھی۔ جہاں ہم میں سے بہت سے لوگ سی وی رمن ،میگھناد ساہا اور ڈاکٹر اے پی جے عبدالکلام جیسے مشہور سائنسدانوں کی ناقابل فراموش شراکت سے واقف ہیں وہیں بہت سے لوگ سائنس میں خواتین کی کامیابیوں سے بے خبر ہیں جنھوں نے سائنس، ٹیکنالوجی، انجینئرنگ اور ریاضی کے شعبوں میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ ان کی زندگیاں ان تمام لڑکیوں کے لیے رول ماڈل ہیں جو سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں اپنی شناخت قائم کرنا چاہتی ہیں۔

ایڈولیتھ ککٹ جانکی امال: ایک ماہر نباتیات تھیں۔ انھوں نے پودوں کی افزائش، سائٹوجینٹکس اور فائٹوجیوگرافی کے شعبوں میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ وہ پدم شری ایوڑ یافتہ جانکی امال انڈین اکیڈمی آف سائنسز کی بانی فیلو بھی رہی ہیں۔

وہ کیرالہ میں پیدا ہوئیں ۔ ان کے والد کا نام دیوان بہادر ایڈولتھ ککٹ کرشنن تھا۔ انھوں نے مالابار ضلع کے کلکٹر اور ماں دیوی کروائی کی تربیت میں ابتدائی تعلیم تیلیچری کے اسکول میں حاصل کی اور اس کے بعد مدراس چلی گئیں جہاں کوئین میری کالج سے بیچلر کی ڈگری لی اور 1921 میں پریذیڈنسی کالج سے (نباتیات) باٹنی میں آنرز کی ڈگری حاصل کی۔ یہیں سے ان کی زندگی کا نیا موڑ شروع ہوا۔ جانکی امال نے اس کالج کے اُستادوں سے متاثر ہو کر سائٹوجینٹکس کو اپنی زندگی کا جنون بنا لیا اور پھر اسی جنون کو پرواز دینے کے لیے 1924 میں مشی گن یونیورسٹی، امریکہ چلی گئیں۔ 1926 میں باربر اسکالرشپ کے ذریعے نباتیات میں ماسٹر کی ڈگری حاصل کی۔ اور پھر امریکہ کے مشی گن یونیورسٹی سے ’’کروموزوم اسٹڈیز ان نیکنڈرا فزیلوائیڈز‘‘ کے موضوع پر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کرنے والی پہلی ہندوستانی خاتون بنیں۔ سفر یہاں بھی ختم نہ ہوا کہ 1935 میں انڈین اکیڈمی آف سائنسز فیلوشپ کے لیے منتخب ہونے والی پہلی ہندوستانی خاتون کا خطاب بھی اپنے حق میں کر لیا۔

پروفیسر جانکی امال نے گنے پر اپنی وسیع تحقیق اور تحریروں سے بین الاقوامی سطح پر پہچان بنائی اور سائٹو جنیٹکس کے ماہرین کے طور پر گنے کی حیاتیات پر کام کرنے کے لیے کوئمبٹور گنہ افزائش اسٹیشن میں شمولیت اختیار کی۔ ساتھ ہی وہاں گنے اور بینگن کے پودوں پر انتہائی اہم سائٹو جنیٹک ٹیسٹ کیا اور ان فصلوں کی نشوونما کے متعلق میں معلومات جمع کیں۔ اور اعلیٰ قسم کی پیداوار دینے والے تنے پیدا کرنے میں کامیاب ہوئیں۔ ان کے اس کام سے متاثر ہو کر رائل ہارٹیکلچر سوسائٹی نے جانکی امال کو انگلینڈ کی لیبارٹری میں اسسٹنٹ سائیٹولوجسٹ کے طور پر کام کرنے کی دعوت دی۔ اس کے کچھ عرصے بعد پنڈت جواہر لال نہرو کی دعوت پر وہ 1951 میں ہندوستان واپس آگئیں تاکہ بوٹینیکل سروے آف انڈیا کو مکمل طور پر قائم کیا جاسکے۔ اس خصوصی ڈیوٹی کے فرائض انجام دیتے ہوئے انڈین بوٹینیکل سروے کے ڈائریکٹر جنرل کے طور پر بھی خدمات انجام دیں۔ نباتیات کے شعبے میں شاندار تحقیق کی وجہ سے انھیں 1961 میں بیربل ساہنی کے عہدے سے بھی نوازا گیا۔ 1977 میں انھیں باٹنی اور پلانٹ سیل جینیٹکس کے شعبے میں بہترین کام کے لیے صدر جمہوریہ ہند نے پدم شری ایواڈ سے نوازا گیا۔

انّا موڈائیل مانی: ایک شامی عیسائی خاندان میں پیدا ہوئیں۔ ان کو ابتدا سے تعلیم کا بہت شوق تھا۔ ان کے والد سول انجینئر تھے۔ وہ آٹھ بچوں میں ساتویں نمبر کی لڑکی تھی۔ انھیں تعلیم کا اس قدر شوق تھا کہ بچپن میں ہی پبلک لائبریری میں ملیالم کی تقریباً تمام کتابیں پڑھ لیں۔ اور اپنی آٹھویں سالگرہ پر والدین کے سامنے تحفے میں انسائیکلوپیڈیا برٹینکا کے ایک سیٹ کی خواہش رکھی۔ کتابوں کی اس دنیا نے ان کے ذہن میں نئے خیالات کو جنم دیا۔ یہ وہ دور تھا جب لڑکیوں کے لیے تعلیم حاصل کرنا معیوب سمجھا جاتا تھا۔ لیکن انا مانی نے اس روایتی قدغن کو توڑتے ہوئے اعلیٰ تعلیم کے لیے چینئی کے پریذیڈنسی کالج میں فزکس اور کیمسٹری میں آنرز کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد وہ سی وی رمن کے ساتھ کام کرنے لگیں، جہاں انھوں نے ہیروں اور یاقوت کی نظری خصوصیات پر تحقیق کی۔ وہ پانچ تحقیقی مقالوں کی مصنفہ تھیں۔ لیکن چونکہ ان کے پاس ماسٹر کی ڈگری نہیں تھی اس لیے انھیں پی ایچ ڈی کی ڈگری نہیں مل سکی۔ اس کے بعد وہ مزید تعلیم کے لیے برطانیہ چلی گئیں جہاں انھوں نے بالآخر امپیریل کالج، لندن میں موسمیاتی آلات میں مہارت حاصل کی۔ اور 1940 میں باوقار، انڈین انسٹی ٹیوٹ آف سائنس نے انا مانی کو فزکس میں تعلیم و تحقیق جاری رکھنے کے لیے اسکالرشپ دی۔ انھوں نے سائنسی تحقیق کے میدان میں کئی شاندار خدمات انجام دیں۔

"آزادی سے پہلے ہندوستان سائنسی آلات کے لیے دوسرے ممالک پر انحصار کرتا تھا۔ جب انّا مانی 1948 میں ہندوستان آئیں تو انھوں نے محکمہ موسمیات اختیار کرتے ہوئے آلات ڈوژن میں سیاستداں ایس پی وینکٹیشورن کے ساتھ کام کیا۔ ان کے پاس ہندوستان کو سائنسی میدان میں خود انحصار بنانے کا وژن تھا۔ اس مشن کو ذہن میں رکھتے ہوئے انّا مانی نے ہندوستان کے لیے مختلف موسمی آلات کی تیاری اور کیلیبریٹنگ میں مدد کی۔"

آزادی سے پہلے ہندوستان سائنسی آلات کے لیے دوسرے ممالک پر انحصار کرتا تھا۔ جب انا مانی 1948 میں ہندوستان آئیں تو انھوں نے محکمہ موسمیات اختیار کرتے ہوئے آلات ڈوژن میں سیاستداں ایس پی وینکٹیشورن کے ساتھ کام کیا۔ ان کے پاس ہندوستان کو سائنسی میدان میں خود انحصار بنانے کا وژن تھا۔ اس مشن کو ذہن میں رکھتے ہوئے انا مانی نے ہندوستان کے لیے مختلف موسمی آلات کی تیاری اور کیلیبریٹنگ میں مدد کی۔ بالآخر انھوں نے ڈوژن کا چارج سنبھال لیا اور اپنے ماتحت 121 مردوں کی قیادت کی۔ اپنے سائنسدانوں کی ٹیم کے ساتھ انھوں نے تقریباً 100 مختلف موسمی آلات کے لیے ڈرائنگ کو معیاری بنایا اور ان پر کام شروع کیا۔ انا مانی نے اس وقت ہندوستان میں دو غیر دریافت شدہ شعبوں میں قدم رکھا (1) شمسی توانائی (2) ہوا کی توانائی۔ ان کی ٹیم نے ہوا کے نمونوں

کا مطالعہ کرنے کے لیے پورے ہندوستان میں مانیٹرنگ اسٹیشنوں کا ایک نیٹ ورک قائم کیا۔ ہندوستان کی خود انحصاری کو آگے بڑھانے کے لیے انا مانی کی ٹیم نے تابکاری کے مختلف آلات کو ڈیزائن کیا۔ انا مانی اُن سائنسدانوں میں سے ایک تھیں جنھوں نے اوزون کی تہہ کی صلاحیت اور اس کے ادا کردہ اہم کردار کو دکھایا۔ لہٰذا انا مانی نے ایک اوزون ساؤنڈ ایجاد کیا جو کہ اوزون کی تہہ کی پیائش کے لیے استعمال ہونے والا ایک قابل اعتماد آلہ ہے۔ اس کام کے نتیجے میں وہ بین الا قوامی اوزون کمیشن کا حصہ بن گئیں۔ ان کی ٹیم سے تیار شدہ آلات اور تحقیق نے ہندوستان کو موسم کی درستگی کے ساتھ پیشین گوئی کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے موسمیاتی میدان کو وسعت دینے میں مدد کی۔ انا مانی 1976 میں ہندوستان کے محکمہ موسمیات کی ڈپٹی ڈائرکٹر جنرل کے طور پر ریٹائر ہوئیں۔ تاہم انھوں نے کام کرنا بند نہیں کیا بلکہ اپنا تحریری کام کرتے ہوئے دو کتابیں لکھ دیں۔ (۱) ہینڈ بک آف سولر ریڈی ایشن ڈیٹا فار انڈیا (۲) سولر ریڈی ایشن اور انڈیا۔

”موسمیات میں انا مانی کا کام آج کے معاشرے کے لیے موثر اور قابل قدر ہے۔ ان کے تعاون نے شمسی توانائی، ہوا کی طاقت، اوزون کی تہوں اور مختلف موسمی آلات کی تلاش کو وسعت دی۔ د ر حقیقت انا مانی کے تصورات اور کام نے ہندوستان کو آج ہوا کی طاقت کے استعمال میں عالمی رہنما بننے کا موقع دیا۔ ورلڈ میٹرولوجیکل آرگنائزیشن نے انہیں ان کی 100ویں سالگراہ پر یاد کیااور انٹرویو کے ساتھ ان کا لائف پروفائل بھی شائع کیا۔“

موسمیات میں انا مانی کا کام آج کے معاشرے کے لیے موثر اور قابل قدر ہے۔ ان کے تعاون نے شمسی توانائی، ہوا کی طاقت، اوزون کی تہوں اور مختلف موسمی آلات کی تلاش کو وسعت دی۔ درحقیقت انا مانی کے تصورات اور کام نے ہندوستان کو آج ہوا کی طاقت کے استعمال میں عالمی رہنما بننے کا موقع دیا۔ ورلڈ میٹرولوجیکل آرگنائزیشن نے انھیں ان کی 100ویں سالگراہ پر یاد کیا اور انٹرویو کے ساتھ ان کا لائف پروفائل بھی شائع کیا۔ اس کے علاوہ ان کی 104 ویں یوم پیدائش پر اگست 2022 کو گوگل نے ایک خاص ڈوڈل بنا کر انھیں نوازا۔

آنندی بائی گوپال راؤ جوشی: آنندی بائی جوشی کو آنندی بائی اور آنندی بائی گوپال جوشی کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ گوپال راؤ جوشی ان کے شوہر کا نام ہے۔ ان کی شادی 9 سال کی عمر میں ہی ہو گئی تھی۔ جو آنندی بائی سے تقریباً 20 سال بڑے تھے۔ آنندی بائی 14 سال کی عمر میں ماں بنیں لیکن ان کا اکلوتا بچہ 10 دن کے اندر انتقال کر گیا جس وجہ سے ان کو بہت بڑا صدمہ پہنچا۔ اپنے بچے کو کھونے کو بعد انھوں نے عہد کیا کہ وہ ایک دن ضرور ڈاکٹر بنیں گی۔ اس کوشش میں ان کے شوہر گوپال راؤ نے بھی ان کا ہر قدم پر ساتھ دیا۔ اسی سبب آنندی بائی مغربی طب کی پہلی ہندوستانی خاتون ڈاکٹر بنیں۔ وہ ہندوستان کی پہلی خاتون تھیں جنھوں نے ریاست امریکہ میں مغربی علاج میں دو سالہ ڈگری کے ساتھ گریجویشن کی تعلیم حاصل کی۔ اسی کے ساتھ وہ ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کرنے والی پہلی ہندوستانی خاتون تھیں۔ یہ وہ دور تھا جب خواتین کی تعلیم بھی ناقص تھی اس کے باوجود بھی آنندی بائی ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کرنے کے لیے بیرون ملک گئیں جو اپنے آپ میں ایک مثال ہے۔

آنندی بائی نے کلکتہ سے نیویارک تک جہاز کے ذریعے دو انگریزی خواتین مشنریوں کے ساتھ سفر کیا جو تھور بورن کے نام سے جانی جاتی تھیں۔ تھیوڈیشیا کارپینٹر نے جون 1883 میں ان کا استقبال کیا۔ آنندی بائی نے فلاڈیلفیا میں خواتین کے میڈیکل کالج آف پنسلوانیا کو ایک خط لکھ کر اُن سے اُن کے میڈیکل کالج میں داخلہ لینے کی درخواست کی جو اُس دور میں خواتین کا دوسرا میڈیکل کالج تھا۔ اس کالج کی ڈین ریچل بوڈلے نے ان کا داخلہ لے لیا۔

آنندی بائی نے 19 سال کی عمر میں اپنی طبی تعلیم کی تربیت شروع کی۔ لیکن امریکہ میں سرد موسم اور غیر مانوس خوراک کی وجہ سے

ان کی صحت بگڑ گئی اور انھیں تپ دق ہو گیا۔ اس کے باوجود انھوں نے 1886 میں ایم ڈی کے ساتھ گریجویشن کی ڈگری لی۔ ان کی تحقیق کا موضوع آریائی ہندوؤں میں بچے پیدا کرنا تھا۔ مقالہ میں آیورویدک متون اور امریکی طبی نصابی کتب دونوں کے حوالہ جات استعمال کیے گئے ہیں۔ بیچلر کی ڈگری حاصل کرنے پر ملکہ وکٹوریہ نے آنندی بائی کو مبارکباد کا پیغام بھیجا تھا۔

آنندی بائی 1886 کے آخر میں ہندوستان لوٹ آئیں۔ جہاں ان کا شاندار استقبال کیا گیا۔ ریاست کولہاپور نے انھیں مقامی البرٹ ایڈورڈ ہسپتال کے خواتین وارڈ کا انچارج ڈاکٹر مقرر کیا۔

" اسیما چٹرجی: ہندوستان میں کیمسٹ اور فائٹومیڈیسن کے شعبوں میں اپنے کام کے لیے مشہور تھی۔ ان کا سب سے قابل ذکر کام ونکاالکلائڈز پر تحقیق، مرگی کے خلاف ادویات کی تیاری اور ملیریا سے بچنے والی ادویات کی ترقی ہے۔ انھوں نے برصغیر کی دواؤں کے پودوں پر بھی کافی کام کیا وہ ہندوستانی یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ آف سائنس حاصل کرنے والی پہلی خاتون تھیں۔

آنندی بائی کا انتقال 26 فروری 1887 کے پونے میں اپنی 22 ویں سالگرہ سے پہلے ہو گیا۔ اس کے سبب پورے ہندوستان میں ان کا ماتم کیا گیا۔ ان کی راکھ امریکہ میں ان کی دوست تھیوڈیشیا کو بھیجی گئی، جس نے ان کو نیویارک کے اپنے خاندانی قبرستان پوکیپسی رورل قبرستان میں دفن کیا۔ ان کی قبر پر لکھوایا کہ آنندی بائی ایک ہندو برہمن لڑکی تھیں جو بیرون ملک میں میڈیکل کی ڈگری حاصل کرنے والی پہلی خاتون تھیں۔

اسیما چٹرجی: ہندوستان میں کیمسٹ اور فائٹومیڈیسن کے شعبوں میں اپنے کام کے لیے مشہور تھی۔ ان کا سب سے قابل ذکر کام ونکاالکلائڈز پر تحقیق، مرگی کے خلاف ادویات کی تیاری اور ملیریا سے بچنے والی ادویات کی ترقی ہے۔ انھوں نے برصغیر کی دواؤں کے پودوں پر بھی کافی کام کیا۔ وہ ہندوستانی یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ آف سائنس حاصل کرنے والی پہلی خاتون تھیں۔ انھوں نے کلکتہ یونیورسٹی کے لیڈی بریبورن کالج میں کیمسٹری کا ایک نیا شعبہ شروع کیا۔

اسیما جی کے والد اندر نارائن مکھرجی پیشے سے ایک ڈاکٹر تھے۔ انھوں نے اپنے بچوں کی تعلیم میں ایک اہم رول ادا کیا ہے۔ نارائن مکھرجی کو شعبہ نباتیات سے بے حد محبت تھی۔ یہیں سے اسیما چٹرجی نے طب میں دلچسپی لینا شروع کیا۔ لیکن طب کے شعبے میں بھی انھوں نے پودوں کی طبی خصوصیات کے متعلق تحقیق شروع کی۔ 1936 میں اسیما نے کیمسٹری میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ کلکتہ یونیورسٹی کے اسکاٹش چرچ کالج سے کیمیکل سائنس میں ماسٹر کی ڈگری حاصل کی اور کلکتہ یونیورسٹی سے ڈی۔ ایس۔ سی۔ کی ڈگری حاصل کی اور 1944 میں ہندوستانی یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کرنے والی پہلی خاتون بنیں۔ ڈاکٹریٹ کی طالبہ کے طور پر انھوں نے مشہور کیمکلسٹ پرپھول چندر رے اور مشہور طبعیات داں ستیندر ناتھ بوس کے ساتھ پودوں کی مصنوعات اور مصنوعی نامیاتی کیمسٹری پر کام کیا۔ وہ حیاتیاتی طور پر فعال الکلائڈز پر اپنی پوسٹ ڈاکٹریٹ تحقیق کے لیے یونیورسٹی آف وسکونسن اور کیلٹیک میں لاسلو زیکمیسٹر کے ساتھ کام کرتی رہیں۔ اس کے بعد کلکتہ یونیورسٹی کے یونیورسٹی کالج آف سائنس میں خالص کیمسٹری میں ریڈر کے طور پر شمولیت اختیار کی۔ انھوں نے دواؤں کے پودوں میں پائے جانے والے حیاتیاتی طور پر فعال مرکبات کی نوعیت پر اپنی تحقیق جاری رکھی۔ یہ وہ دور تھا جب حکومت کی طرف سے کم فنڈز کی وجہ سے سائنسدانوں کے لیے کام کرنا بہت مشکل تھا۔ لیکن اسیما چٹرجی نے ہار نہیں مانی بلکہ انھوں نے بھارت سے باہر تجزیہ کے لیے نمونے بھیجنے کے لیے اپنا پیسہ لگایا۔ اس کے علاوہ وہ اپنی تحقیق کے لیے ضروری کیمیکلز اور ان کے ساتھ کام کرنے والے طلبا کی تنخواہیں بھی خود ادا کرتی تھیں۔ لیکن

1967 میں ان کی زندگی میں ایک ایسا مشکل دور آیا کہ 4 ماہ کے عرصے میں انھوں نے اپنے والد اور شوہر دونوں کو کھو دیا۔ اتنے مشکل لمحات میں انھوں نے خود کو سنبھالے رکھا اور کچھ مہینوں کے بعد دوبارہ اپنی سائنسی زندگی میں لوٹ آئیں۔ اس وقت ان کے ساتھی کارکنوں نے انھیں بے پناہ مدد فراہم کی۔

انھوں نے اپنی تحقیق کے ذریعے مریضوں کے علاج کے لیے اینٹی ایپی لیپٹک، اینٹی کنولسیو اور کیموتھراپی کی دوائیں تیار کیں۔ مرگی سے بچاؤ کی دوا ''آیوش۔56'' جو انھوں نے مارسیلیا منٹا سے تیار کی ہے۔ یہ ان کا سب سے اہم اور کامیاب کام ہے اور جو آج تک تجارتی طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ مختلف قسم کے پودوں سے انھوں نے اپنی ٹیم کے ساتھ ملیریا سے بچاؤ کی دوائیں تیار کیں۔ اس کے علاوہ انھوں نے اپنا 40 سال کا وقت کینسر پر تحقیق کے لیے وقف کیا۔ انھوں نے الکلائڈز کا مطالعہ کیا جو کینسر کے مریضوں کے لیے کیموتھراپی میں مؤثر طریقے سے استعمال ہوتے تھے۔

کملا سوہنی: کملا سوہنی پہلی ہندوستانی بایو کیمسٹ تھیں۔ ساتھ ہی 1939 میں شعبہ سائنس میں پی ایچ ڈی حاصل کرنے والی پہلی ہندوستانی خاتون بھی بنیں۔ انڈین انسٹی ٹیوٹ آف، بنگلورو میں ان کی مقبولیت اور کام نے ادارے میں خواتین کو پہلی بار اپنی خدمات انجام دینے کا موقع فراہم کیا۔ کملا سوہنی نے اپنی تحقیق میں وٹامنز کے اثرات، دالوں، دھان اور ہندوستانی آبادی کے کچھ غریب ترین طبقے کے ذریعے استعمال ہونے والی کھانے پینے کی اشیا کے گروپوں کی غذائیت کی قدروں پر روشنی ڈالی۔ کملا سوہنی نے اس دور کے صدر راجندر پرساد کی تجویز پر ''نیرا'' نامی عرقِ کھجور کے غذائی فوائد پر کام شروع کیا۔ انھوں نے مشروبات میں وٹامن اے، وٹامن سی اور آئرن کی نمایاں مقدار پائی۔ اسی کام کے لیے انھیں راشٹر پتی ایواڈ سے نوازا گیا۔

کملا سوہنی کے والد نارائن راؤ بھگوت اور ان کے چچا مادھو راؤ بھگوت، بنگلور میں سابق ٹاٹا انسٹی ٹیوٹ آف سائنسز کے کیمسٹ اور سابق طالب علم تھے۔ کملا سوہنی نے خاندانی روایت کی پیروی کرتے ہوئے 1933 میں بمبئی یونیورسٹی سے کیمسٹری اور فزکس میں بی۔ ایس۔ سی کی ڈگری کے ساتھ گریجویشن کیا۔ اس کے بعد انھیں برطانیہ کی کیمبرج یونیورسٹی میں فریڈک جی ہاپکنز لیبارٹری میں ڈاکٹر ڈیرک ریکٹر کے تحت کام کرنے کے لیے مدعو کیا گیا۔ وہ نیونہم کالج کی طالبہ تھی۔ 1937 میں میٹریکیولیشن کر رہی تھیں اور بائیولوجکل نیچرل سائنسز ٹرپیوز پڑھ رہی تھیں۔ جب ریکٹر چلے گئے تو انھوں نے ڈاکٹر رابن ہل کے ماتحت کام کیا اور پودوں کے ٹشوز کا مطالعہ کیا۔ آلو پر اپنے کام سے انھوں نے انزائم سائٹوکروم۔سی دریافت کیا جو الیکٹران ٹرانسپورٹ چین (وہ عمل جس کے ذریعے حیاتیات کے لیے توانائی پیدا ہوتی ہے۔) میں اہم رول ادا کیا جو پودوں، انسانوں اور حیوانی خلیوں میں پایا جاتا ہے۔ یہ ان کا تحقیقی مقالہ ہے۔

کملا سوہنی پی ایچ ڈی کرنے کے بعد 1939 میں ہندوستان لوٹ آئیں۔ نئی دہلی کے لیڈی ہارڈنگ میڈکل کالج میں بائیو کیمسٹری کے شعبے کی پروفیسر اور سربراہ مقرر ہوئیں۔ بعد ازاں انھوں نے وٹامنز کے اثرات پر توجہ مرکوز کرتے ہوئے نیوٹریشن ریسرچ لیبارٹری، کنور میں اسسٹنٹ ڈائریکٹر کے طور پر کام کیا۔

اس کے بعد 1947 میں ایک اداکار ایم وی سوہنی سے شادی کی اور ممبئی چلی گئیں اور رائل انسٹی ٹیوٹ آف سائنس میں بائیو کیمسٹری کے شعبے میں پروفیسر کی حیثیت سے شمولیت اختیار کی اور پھلوں کی غذائیت کے پہلوؤں پر کام کیا۔

ان نامور خواتین سائنسدانوں کی فہرست میں اور بھی بہت سے اہم نام ہیں جن کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ جن میں کمل رانا دیو، ورشن رنگناتھن، رادھا بالا کرشنن، بندوا بے پامبہ، مناکشی بنرجی، منجو بنسل، سدھا بھٹاچاریہ، ارچنا بھٹاچاریہ، رجنی اے بھسے، مہارانی چکرورتی، پربھا چٹرجی، راجیشوری چٹرجی، شوبھادا چپلونکر، رینو کھنہ چوپڑا، اندو ہندوجا، ٹیسی تھومس، کلپنا چاولا وغیرہ کے نام سرفہرست ہیں۔

□□□

Dr. Tarannum Mansuri
Assistant Professor (GF)
MLSU, Udaipur (Raj)
203, Raza Colony
Near Badi Masjid, Malla Talai,
Udaipur (Raj) - 313001

ثمینہ بیگم

غزل

غزل بن کے سب کو سُنائی گئی ہوں
کبھی درد بن کر چھپائی گئی ہوں

کئی بار ٹوٹی، کئی بار بکھری
میں عورت ہوں صاحب مٹائی گئی ہوں

کبھی درد سہنے کی عادت پڑی جو
محبت میں اکثر ستائی گئی ہوں

کئی بار دل سے نکالی گئی تھی
کئی بار دل میں بسائی گئی ہوں

محبت سے جس نے بھی مجھ کو پکارا
میں حاضر ہوئی جب بُلائی گئی ہوں

مجھے درد ہوتا ہے انساں ہوں میں بھی
مجسّم نہ بے حِس بنائی گئی ہوں

قلم سانس ہی بن گیا اب ثمینہ
کتابوں میں زندہ سمائی گئی ہوں

Sameena Begum
Lecturer, Dept. of Urdu
Veera Naari Chakli Women's University
Kothi, Hyderabad-500095 (T.S)

ترنم صبا

چار سو گونجتی جیسے کہ صدا ہے کوئی
اب تو اس دور میں جینا بھی سزا ہے کوئی

حوصلہ ہی نہیں ہوتا کہ ملاؤں نظریں
آئینے میں یوں مجھے دیکھ رہا ہے کوئی

کیا تو اللہ کی قدرت سے بھی مایوس ہے اب
کیوں نہیں لب پہ ترے حرفِ دُعا ہے کوئی

گامزن ہوں میں انھیں راہوں پہ تنہا تنہا
بارہا جن پہ مرے ساتھ رہا ہے کوئی

وقت آئے گا سبھی یاد کریں گے لیکن
آج کتنوں کو ہے معلوم 'صبا' ہے کوئی

Tarannum Jahan
48–A, Machhariya Bazar
Yashoda Nagar
Kanpur-208011 (U.P)

نوری عشرت

میں

میں ایسی ہی ہوں
ایک پل میں خوش
ایک پل میں اداس
کسی بات پہ کبھی روٹھ جاتی
پھر خود ہی مان جاتی ہوں
میں ایسی ہی ہوں
کبھی سب کا خیال رکھنے والی
کبھی ایک دم سے لاپرواہ
سیانی بھی اور بیوقوف بھی
میں ایسی ہی ہوں
کبھی سب مجھ سے خوش
کبھی میں سب سے بیزار
کبھی کم سن تو کبھی ضدی
کبھی اتراتی کبھی نخرے دکھاتی
تو کبھی غصے میں منھ بنالیتی ہوں

میں ایسی ہی ہوں
کوئی پوچھتا ہے مجھ سے
اصل میں کیا ہوں میں
آنکھوں میں نمی لیے
ہلکا سا مسکاتی ہوں
اور کہتی ہوں
مجھے خود بھی نہیں معلوم
میں کیسی ہوں!!

Noori Ishrat
At + Post Kalyanpur
Ps +Distt. Garhwa-822114 (Jharkhand)
E-mail: ishratjoohi@gmail.com

دیکھ لیانا

آیت تنویر

آخر وہی ہوا جس کا اسے اندیشہ تھا۔ پچھلے ایک ہفتے سے وہ انور بھائی کی حریص نظروں پر نظر رکھے ہوئے تھی۔ اسے اندیشہ تھا کہ کہیں انگلی پکڑتے پکڑتے وہ پہونچا نہ پکڑ لیں۔ پہلے پہل تو وہ ان کی حرکتوں کو نظر انداز کرتی رہی۔ مگر اب تو بات حد سے بڑھ گئی تھی۔

تھوڑی دیر پہلے وہ اپنی سہیلی کے یہاں سے لوٹی تھی اور اپنے کمرے میں پہنچ کر سنگار دان کے پاس بیٹھی ہی تھی کہ اچانک اسے پاؤڈر کے ڈبّے کے نیچے ایک تہ کیا ہوا کاغذ نظر آیا۔ وہ حیران تھی کہ اس کے پیچھے اس کے کمرے میں داخل ہونے کی جرأت کون کرسکتا ہے۔ گھر کے لوگوں سے تو ایسی غلطی کی امید نہیں تھی۔ ابّو تو کسی بھی صورت کمرے میں نہ آئے ہوں گے۔ چھوٹا بھائی تو ایسا ہے ہی نہیں۔ امّی آسکتی ہیں مگر انھیں کیا ضرورت پڑی تھی کہ رقعہ لکھ کر رکھیں۔ اب رہ جاتے ہیں انور بھائی۔ اس کا شک ان ہی پر تھا۔ اس نے جلدی جلدی کاغذ کو کھولا۔ تحریر انور بھائی ہی کی تھی۔ مضمون پڑھ کر اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

پہلے تو اس نے سوچا، چل کر انھیں خوب کھری کھوٹی سنا ڈالے۔ لیکن مصلحت اور شرمندگی کی بنا پر وہ سیدھی ماں کے پہنچی اور کاغذ تھما کر بولی۔ ”لیجیے!...دیکھ لیجیے انور بھائی کے کرتوت.... ان کی حرکتوں کو میں اب تک طرح دیتی رہی۔“

بیٹی کا تمتمایا ہوا چہرہ دیکھ کر اور تلخ باتیں سن کر ماں نے پوچھا۔ ”آخر بات کیا ہے؟“

”خود ہی پڑھ کر معلوم کرلیں۔“

ماں رقعہ کھول کر اونچی آواز میں پڑھنے لگیں۔

”گل صبا! میں جب سے یہاں آیا ہوں اپنے جگر کے کسی گوشے میں خلا سا محسوس کر رہا ہوں۔ یہ شاید تم سے پیار کی بنا پر ہے۔ اپنی زندگی کے سفر کے لیے ساتھی کی ضرورت محسوس کر رہا ہوں۔ زندگی کی کشتی کھینے کے لیے تم بہترین پتوار بن سکتی ہو۔ اگر راضی ہو تو میں پھوپھی جان سے بات کرنے کی ہمت کر سکتا ہوں۔ براہِ کرم خط پڑھ کر تلف کر دینا۔ تمھارا انور!“

خط پڑھ کر بوڑھی مشفق ماں کے لبوں پر ممتا بھرا تبسم نمودار ہوگیا۔

”یہاں جان جل رہی ہے اور آپ مسکرا رہی ہیں۔“ گل صبا نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

”مسکرانے کی بات ہی ہے.... ٹھیک ہی لکھا ہے انور نے.... میں نے تو بہت پہلے سے سوچ رکھا ہے کہ اس سے تمہاری نسبت طے

کردی جائے...تم اس سے ہاں کر دو۔تمہارے ابو بھی موافقت میں ہیں۔''

''مگر میں مخالفت میں ہوں۔'' گل صبا نے جھنجھلا کر کہا۔

''آخر کیوں؟.....کیا عیب ہے اس میں؟''

''ماں کشمکش میں پڑ گئیں۔بیس برس کی مدت میں پہلی مرتبہ بیٹی کا یہ انداز دیکھا تھا۔معاملہ واقعی گمبھیر معلوم ہوتا ہے۔ ماں نے ایک کاغذ کو کھولا اور پڑھنے لگیں۔ پھر جیسے جیسے کاغذات پڑھتی گئیں ، ان کے چہرے پر کئی رنگ آتے جاتے رہے۔حتیٰ کہ آخری خط بھی پڑھ لیا۔ یہ سارے خطوط انور کے تھے ، جو اس نے مختلف لڑکیوں کو لکھے تھے۔ اور ان سبھی لڑکیوں کو وہ اچھی طرح جانتی تھیں۔ اور جانتی کیوں نہیں؟ سبھی لڑکیاں ان کی رشتہ داروں کی تھیں۔''

''عیب؟....ٹھہریے میں ابھی عیب لے کر آتی ہوں۔'' کہہ کر گل صبا اپنے کمرے میں آئی اور ایک بکس کھول کر اس میں سے کئی چھوٹے چھوٹے کاغذات نکالے اور آکر ماں کے حوالے کر دیے۔

''ان سبھوں کو آپ کھول کھول کر پڑھیے....آپ کو عیب نہیں عیوب مل جائیں گے۔''

ماں کشمکش میں پڑ گئیں۔بیس برس کی مدت میں پہلی مرتبہ بیٹی کا یہ انداز دیکھا تھا۔معاملہ واقعی گمبھیر معلوم ہوتا ہے۔ ماں نے ایک کاغذ کو کھولا اور پڑھنے لگیں۔ پھر جیسے جیسے کاغذات پڑھتی گئیں، ان کے چہرے پر کئی رنگ آتے جاتے رہے۔حتیٰ کہ آخری خط بھی پڑھ لیا۔ یہ سارے خطوط انور کے تھے، جو اس نے مختلف لڑکیوں کو لکھے تھے۔اور ان سبھی لڑکیوں کو وہ اچھی طرح جانتی تھیں۔اور جانتی کیوں نہیں؟ سبھی لڑکیاں ان کی رشتہ داروں کی تھیں۔کوئی ان کی بہن کی لڑکی تھی تو کوئی بھائی کی۔کوئی دیور کی تو کوئی جیٹھ کی اور خود انور بھی تو ان کے ایک بھائی کا لڑکا تھا۔

''آپ نے دیکھ لیا نا؟''

''ہاں...مگر یہ سب تمہارے ہاتھ کیسے لگے؟''

''میں عزیزوں کے ہاں جاتی تھی تو وہ سب مجھے یہ خطوط دکھا دیتی تھیں....میں ان سے یہ لے لیتی تھی....میں نے اس خیال سے انھیں محفوظ رکھا تھا کہ آپ اور ابو کو دکھاؤں گی کیوں کہ آپ لوگ پہلے بھی میری نسبت ان سے طے کرنے کی سوچ رہے تھے۔''

''وہ سب لڑکیاں کیوں نہ راضی ہوگئیں؟'' ماں کا سوال تھا۔

''سب حیادار ہیں۔سبھی نے ان حضرت کو دھمکی دی تھی کہ اپنے والدین سے کہہ دیں گی۔ چنانچہ حضرت بھاگ لیے وہاں سے۔''

''مگر وہ تو تمھیں چاہتا ہے نا؟''

''امّی ، یہ چاہت نہیں ہوس ہے۔''

''تم ٹھیک کہتی ہو گل صبا!'' اچانک دروازے سے انور کی آواز آئی۔''یہ صحیح ہے کہ میں نے سب کو خطوط لکھے تھے....محض اس لیے کہ میں انھیں پرکھنا چاہتا تھا....لیکن گل صبا یقین جانو میں تمھیں سچ مچ چاہتا ہوں....آج میں گھر واپس جا رہا ہوں....تمھارے جواب کا منتظر رہوں گا۔''

گل صبا کی امّی کو سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کہیں۔انور ایک گھنٹے کے اندر اندر بنارس اپنے گھر لوٹ گیا۔

رات کے کھانے کے بعد گل صبا اپنے کمرے میں بستر پر لیٹی انور کے بارے میں سوچ رہی تھی کہ انور نے سب کو اس قسم کے خطوط لکھے تھے۔کیا اس کی باتوں پر یقین کیا جا سکتا ہے؟نہیں...نہیں...کبھی نہیں...!

تھوڑی دیر کے بعد اس کی امّی کمرے میں داخل ہوئیں۔وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''تو تم نے کیا سوچا ہے گل صبا....میں ہاں میں جواب دے دوں؟'' امّی نے پوچھا۔

گل صبا جوشیلے لہجے میں کہنے لگی۔''امّی! کیا لڑکی کی یہی قیمت ہے کہ کوئی اسے محبت کے چند جھوٹے بول لکھ کر یا کہہ کر خرید لے....امّی، ایک لڑکی صرف خوبصورت، جوان اور دولت مند شوہر ہی نہیں چاہتی بلکہ وہ ایک غیرت مند اور پختہ کردار کے شوہر کی تمنا رکھتی

ہے....امّی، میں انور بھائی کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتی....اگر میں ان سے شادی کرلوں اور پھر وہ کسی اور سے محبت کرنے لگیں تو؟....کیا آپ کی خوددار اور غیور بیٹی کی یہی وقعت ہے کہ وہ دولت کی چمک پر اپنی زندگی دوسرے کے حوالے کردے....بتایئے کیا آپ مجھے دکھی دیکھ کرخوش رہ سکتی ہیں؟''

کہتے کہتے گل صبا کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ ماں نے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔''مگر بیٹی، اس نے تو اپنی صفائی پیش کردی ہے نا۔''

''جی ہاں، لیکن مصلحتاً....چند روز صبر کرلیجیے....وہ کسی اور سے محبت کا دعویٰ کررہے ہوں گے۔''

''اچھی بات ہے بیٹی، میں تیرے جذبات کو ٹھیس نہیں پہنچنے دوں گی....زندگی تجھے گزارنا ہے، جو تیرا فیصلہ ہوگا وہی ہوگا۔''

چند دنوں کے بعد انور کے والد اپنی بہن (گل صبا کی امّی) کے گھر آئے اور کہا۔'' سعیدہ! ایک ہفتہ بعد آجانا....انور کی نسبت بنارس ہی میں ایک دور کے رشتے دار کی لڑکی سے طے ہوگئی ہے....انور بھی راضی ہے اور لڑکی بھی....دونوں ایک ساتھ کالج میں پڑھتے ہوئے ہیں۔''

ماں نے بے چینی سے گل صبا کی طرف دیکھا جو وہیں پر کھڑی مسکرارہی تھی۔ جیسے کہہ رہی ہو۔'' آپ نے دیکھ لیا نا!''

❑❑❑

Aayat Tanweer
59, Chuna Shah Colony, F-Road,
P.O.: Azad Nagar (Mango)
Jamshedpur-832110(Jharkhand)

Subscription Form "Mahnama Khwateen Duniya"

سالانہ خریداری فارم

میں 'ماہنامہ خواتین دنیا' کا رکی سالانہ خریدار بننا چاہتا رچاہتی ہوں۔

145 روپے کا ڈرافٹ/منی آرڈر............................ بتاریخ ....

بنام National Council for Promotion of Urdu Language منسلک ہے۔

میں نے زرِتعاون سالانہ -/145 روپے IFSC:CNRB0019009، A/C: 90092010045326 میں جمع کروادیا ہے۔

آپ 'ماہنامہ خواتین دنیا' ایک سال کے لیے اس پتے پر بھجوائیں:

نام : ....

پتہ : ....

....

اس فارم کو درج ذیل پتے پر بھیج دیں:

Sales Department: NCPUL, West Block 8, Wing7, RK Puram, New Delhi - 110066

فون:011-26109746 فیکس:011-26108159, E-mail:magazines@ncpul.in

دستخط

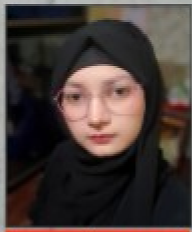

صائمہ انصاری

کیسی یہ ستم ظریفیاں

صبح کی پہلی کرن کے ساتھ گھر میں ناشتہ پانی کے بجائے جس چیز کا روزانہ شور سنائی دیتا ہے وہ ہے اخبار۔۔۔۔۔۔! جی ہاں! اخبار ہوتا ایک ہے اور اس کے عاشق کئی۔ اب صبح سویرے بازی کون مارتا ہے اور اخبار کس کے ہاتھوں کی زینت بنتا ہے یہ ایک الگ موضوع ہے۔ یوں تو آج کی مصروفیت بھری زندگی اور جدید دور میں اخبارات ورسائل کی اہمیت بہت ہی کم ہوتی جا رہی ہے۔ باوجود اس کے کچھ گنے چنے گھرانے موجود ہیں جہاں اخبار کی اہمیت کے ساتھ ساتھ اس سے دلچسپی پر قیامت صغریٰ جیسے ملے جلے آثار دیکھنے کو مل جاتے ہیں۔

جی ہاں، جہاں ایک طرف والدہ صاحبہ کو گھر کے باقی کام ہوتے ہیں اور وہ چاہتی ہیں کہ گھر کے دیگر افراد بھی علی الصباح اپنے اپنے کاموں میں منہمک نظر آئیں، وہیں دوسری طرف والد صاحب ہیں، جن کا اخبار بینی ہی محبوب مشغلہ ہے۔ یہ جناب نماز فجر کے بعد سے اخبار والے کے انتظار میں دروازے کی سمت منھ کیے ایسے بیٹھے رہتے ہیں جیسے وہ کوئی بشارت لیے آنے والا ہو۔ صبح کی پہلی کرن کے ساتھ ہی اخبار کی سرخیوں اور مختلف حادثات کی فکروں میں کھو جاتے ہیں۔ اس گھر میں تقریباً روز صبح کا منظر کسی فلسفے کے پروفیسر کے کلاس روم سے کم نہیں ہوتا اور حد تو یہ کہ یہی مناظر اور اس کے ملے جلے اثرات پورا دن گھر کو متاثر کیے رہتے ہیں۔

بچپن میں سوچتی تھی کہ یہ اخبار والے بھی کتنے بیوقوف ہوتے ہیں ایک ایک سرخی پر اتنی طویل خبریں، انھیں بھلا کون پڑھتا ہوگا۔ بعد میں اپنے ہی ابو کو جب ہر ایک خبر کا پوسٹ مارٹم کرتے دیکھا تو سارے بھرم ٹوٹ گئے۔۔۔۔۔۔

اب تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اخبار اور ابو دونوں پچھلے جنم کے کوئی بچھڑے بھائی یا ساتھی رہے ہوں۔ یہ دونوں ایک دوسرے کو چھوڑنا ہی نہیں چاہتے۔ ابو اخبار کی ایک ایک خبر کو نہایت سنجیدگی کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ خود پر فرض کر لیے گئے اس خاص امر کو انجام دینے میں انھیں گھنٹوں صَرف کرنے پڑتے ہیں۔ اخبار سے ابو کی محبت اس قدر ہے کہ اگر کسی دن اخبار والا چھٹی کر لیتا ہے تو ابو ایک گھنٹہ انتظار کرنے کے بعد قیصر باغ کا رخ کر لیتے ہیں اور اگر کسی صورت وہاں اخبار دستیاب نہ ہو سکے تو فون پر اخبار والے کو سخت ہدایت ہے کہ وہ اگلے دن پچھلا اخبار ضرور لائے۔

ایک دفعہ امی نے پوچھا،

"آپ کیا ڈھونڈ رہے ہیں؟ صبح تو اخبار پڑھا تھا۔"

کہنے لگے، "میں کل کا اخبار ڈھونڈ رہا ہوں۔ مل نہیں رہا، کچھ ضروری حصے رہ گئے تھے۔"

اُن کی سنجیدگی دیکھ اُکتا کر امّی بے ساختہ بول پڑیں، "سوچ رہی ہوں اخبار والے سے بات کر کے وہیں کسی ڈیوٹی میں لگوا دوں۔ یہ روزانہ اخبار ڈھونڈتے پھرنے کا مسئلہ ہی ختم۔"

پھر کیا ابّو کے چہرے پر ہلکی سی مسکان اور ہم سبھی کی ہنسی نہیں رک رہی ہے۔۔۔

مزہ تو آیا جب ابّو اخبار کو فرش پر بچھائے اس کی سرخیوں میں مشغول تھے گویا مطالعہ کائنات میں مصروف ہوں۔ اِدھر امی نے ان کے ناشتے کا پیالہ قریب رکھ کر اس میں دلیہ ڈالنے کے لیے چمچ بڑھائے تبھی دلیہ کے کچھ موٹے موٹے قطرے ٹپک کر ایک خبر کو پوری طرح ڈھکتے چلے گئے۔ جس کے بعد ایک گہری خاموشی چھا گئی۔ ابّو امی کو اور امی ہم سب کو دیکھتی ہیں۔۔۔"

مزہ تو آیا جب ابّو اخبار کو فرش پر بچھائے اس کی سرخیوں میں مشغول تھے گویا مطالعہ کائنات میں مصروف ہوں۔ اِدھر امی نے ان کے ناشتے کا پیالہ قریب رکھ کر اس میں دلیہ ڈالنے کے لیے چمچ بڑھائے تبھی دلیہ کے کچھ موٹے موٹے قطرے ٹپک کر ایک خبر کو پوری طرح ڈھکتے چلے گئے۔ جس کے بعد ایک گہری خاموشی چھا گئی۔ ابّو امی کو اور امی ہم سب کو دیکھتی ہیں۔۔۔ پھر کیا؟ چند لمحوں کے بعد ہی ہم سب کا زوردار قہقہ۔۔۔ اور بے چارے ابّو آناً فاناً اخبار کو گلنے سے بچانے کی ناکام کوشش میں لگ گئے۔۔۔ آہستہ آہستہ بڑبڑائے جاتے ہیں۔۔۔ نہ جانے کون سی خبر رہی ہوگی۔

بس ایسے ہی کچھ لطیف مناظر اور روزانہ کے چھوٹے قصے ابّو اور اخبار کے رشتوں کو دلکش بناتے ہیں۔ لیکن اسی طرح کا ایک نہایت دلچسپ واقعہ تب رُونما ہوا جب موسم گرما کا زمانہ تھا اور گھر میں پنکھا پورے زور و شور کے ساتھ چل رہا تھا۔ ان دنوں یہی پنکھا ابو کے لیے باعث رحمت نہیں بلکہ زحمت بن جاتا ہے۔ کیونکہ اس کی آندھی جیسی ہَوا ابّو اور ان کے ساتھی (اخبار) کے درمیان حائل ہوتی ہے۔ جی ہاں! زمین پر اخبار پھیلا کر پڑھنے کی کوشش میں اخبار کا کوئی صفحہ کمرے کے اس کونے تو کوئی دوسرے کونے پہنچ جاتا ہے جس سے بچنے کے لیے ابّو نیا راستہ نکالتے ہیں اور اِدھر اُدھر سے دواؤں کی شیشی، ڈبے یا کوئی چھوٹا موٹا سامان (جو پیپر ویٹ کا کام کر سکے) کا انتظام کرتے اور اخبار کے چاروں کونے دبا دیتے۔ کچھ ایسا ہی منظر گھر میں تھا تبھی امی کو اپنی دوا کا وقت یاد آ گیا اور وہ تیز قدموں سے چلتی کمرے میں داخل ہوئیں، دوا کی ایک شیشی اٹھا لے گئیں، اب جو اخبار کے ایک کونے سے ہوا کا پریشر بڑھا تو پھر کیا کہنے۔۔۔۔ اخبار پھر سے ہوا میں رقص کرتا دکھائی دے رہا ہے۔ ابّو بے چین نظر آنے لگے اسی اضطرابی کیفیت میں بولتے ہیں،

"کوئی اس آندھی کو کم کرنے کی مہربانی کرے گا۔"

تبھی امّی باورچی خانے سے کوئی ضروری کام نپٹا کر دوبارہ حاضر ہوئیں، سامنے بیٹھ کر گہری سانس لیتے ہوئے بولیں،

"یہ آندھی تو اب کسی صورت کم نہیں ہوگی۔۔۔"

میں اور میری بھانجی انعم ایک طرف بیٹھے مسکرا رہے۔۔۔ ابّو دونوں ہاتھوں سے اخبار کو فرش سے لگائے ایسے بیٹھے ہیں جیسے وہ اخبار نہیں قربانی کا جانور ہو، وہ مسلسل اخبار سنبھالے رکھنے کی ناکام کوشش کیے جا رہے تھے اور ہم ایک دوسرے کو دیکھے جا رہے تھے۔

ابھی پچھلے دنوں ہماری ایک ہمسایہ خاتون بڑی جلد بازی میں چند اخبارات لینے آ پہنچیں۔ شاید انھیں الماری یا بکس پر بچھانا ہوگا۔ آجکل لوگ عام طور پر اردو اخبارات کو متبرک سمجھ کر الماری یا بکس کی زینت بناتے ہیں۔ بہرحال انھیں کچھ اخبار دے دیے گئے۔ وہ تو لے کر چلی گئیں لیکن شامت ہماری آنی تھی کیونکہ ان میں سے کسی اخبار میں جوڑوں کے درد کا علاج اور اس پر تبصرہ جو آیا

تھا۔۔۔۔ خیر وہ تو اب جا چکا تھا، دن ڈھلے ابّو جھنجھلائے بیٹھے تھے، چہرے سے ناگواری ظاہر تھی اور گھر میں ایک گہرا سناٹا۔۔۔۔

''ان سبھی واقعات میں دلچسپ اور میرا پسندیدہ واقعہ بھی سن لیجئے۔ حسب معمول امی، ابّو سے اخبار رکھنے کے لیے کہہ رہی تھیں۔ ساتھ ہی آج انھوں نے کہا کہ موٹر چل رہا ہے ذرا اُپر جا کر واشنگ مشین میں پانی بھر دیجیے، ورنہ پانی چلا جائے گا۔ ابّو ہوں۔۔۔ ہاں۔۔۔ کرتے رہے۔۔۔ بس بس ایک خبر رہ گئی ہے۔۔۔۔ بس اسی۔۔۔ ہوں۔۔۔ ہاں۔۔۔ میں ابو تو نہیں گئے لیکن پانی ضرور چلا گیا۔۔۔''

یہ سب تو ٹھہری عام دنوں کی باتیں۔ ابھی دورانِ ماہ رمضان (ناقابلِ فراموش) واقعہ پیش آیا۔ افطاری کا وقت ہو چلا تھا۔ میں کچن سے اَشیائے خُورد و نوش ایک ایک کر کے دسترخوان پر سجاتی گئی اور ساتھ ہی ایک اخبار سے ڈھکتی گئی۔ جب آخر کے کچھ برتن لے کر کمرے میں پہنچی تو ایک گدگدا دینے والا منظر سامنے تھا۔ میں نے امی کو اشارہ کیا۔ وہ بھی وضو کر کے کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔ اب جو دیکھا تو ابو اخبار سے ڈھکے ہوئے افطار کے اوپر تقریباً نصف سے زائد جھکے ہوئے اس کی سرخیوں کا بغور مطالعہ فرما رہے تھے۔۔۔۔

امی نے نہایت آہستگی سے اخبار کو کھینچا اور لپیٹ کر رکھتے ہوئے آنکھیں نکالیں۔

"دعا کا وقت ہے۔"

ذرا تو خیال کریں!

ابو سکپکائے، جیسے ان کی کوئی چوری پکڑی گئی ہو۔ کہنے لگے،

"میں پڑھ تھوڑی رہا تھا۔ میں تو پتنگا اُڑ رہا تھا بس اُسی پر نظریں تھیں۔۔۔۔"

اب کون کیا کہتا، بس دل دل میں مسکرا کر رہ گئے۔

ان سبھی واقعات میں دلچسپ اور میرا پسندیدہ واقعہ بھی سن لیجیے۔ حسبِ معمول امی، ابّو سے اخبار رکھنے کے لیے کہہ رہی تھیں۔ ساتھ ہی آج انھوں نے کہا کہ موٹر چل رہا ہے ذرا اُپر جا کر واشنگ مشین میں پانی بھر دیجیے، ورنہ پانی چلا جائے گا۔ ابّو ہوں۔۔۔ ہاں۔۔۔ کرتے رہے۔۔۔ بس بس ایک خبر رہ گئی ہے۔۔۔۔ بس اسی۔۔۔ ہوں۔۔۔ ہاں۔۔۔ میں ابو تو نہیں گئے لیکن پانی ضرور چلا گیا۔۔۔ اب کیا۔۔۔ آج امی کا تمتمایا ہوا چہرہ اور ایک ذمے دار گھریلو خاتون کا سخت روپ دیکھنے کو ملا۔۔۔ وہ تیز قدموں سے پیر پٹختے کمرے میں داخل ہوئیں۔ اب ابّو کے ہاتھ میں اخبار ہے، امّی نے اخبار کے دونوں سروں کو پکڑ کر اپنی اور کھینچا،

''آج یا تو یہ اخبار رہے گا یا میں۔''

''ارے مہرباں۔۔۔! بس ایک سرخی اور بچی ہے۔ ذرا رک جاؤ۔۔۔''

ابّو کی پوری توجہ اخبار پر تھی۔

''یہ دنیا ختم ہو جائے گی لیکن آپ کی یہ ایک سرخی نہیں۔۔۔''

اتنا کہہ کر امی ایکشن موڈ میں آ چکی تھیں۔

اخبار کے نچلے دونوں کونوں کو ابّو نے تھام رکھا تھا۔ اوپری حصہ امی نے سنبھالا۔ دونوں طرف سے زور آزمائی جاری تھی۔ میں اور انعم دونوں کی ہنسی رکنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ پھر کیا تھا۔۔۔ اخبار بیچارہ،،،، کاغذ کے وجود سے ہارا۔۔۔ زور پڑتے ہی اپنا وجود کھو بیٹھا اور دو ٹکڑوں میں تقسیم ہو کر جاتے جاتے ہندوستان کے بٹوارے کے نقوش تازہ کر گیا۔۔۔۔۔ بیچارے اخبار کے بلیدان کے ساتھ ہی امی کا غصہ رفو چکر ہو گیا۔۔۔ اخبار کا ایک حصہ دونوں ہاتھوں میں تھامے امی ہنسے جا رہی تھیں تو دوسرا ٹکڑا لیے بیٹھے ابو بھی اپنی ہنسی نہ روک سکے۔۔۔

□□□

Saima Ansari

Dept. of Urdu, University of Lucknow

Lucknow-226007 (U.P)

saimaansari76@gmail.com

ارتباط

مارچ 2025 کا شمارہ جو عالمی یوم خواتین کو مدنظر رکھتے ہوئے منظر عام پر آیا، دستیاب ہوا۔ شمارے کا سرورق آٹھ مارچ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے خاصا پر معنی تھا۔ شمارے میں شامل مضامین کی بات کریں تو شخصیات میں شامل پہلا مضمون ہیلن کیلر: ایک محرک اور امید افزا شخصیت پڑھ کر اچھا لگا۔ ظفر الاسلام صاحب نے ہیلن کی شخصیت اور ادبی خدمات پر بڑے سہل انداز میں بہترین گفتگو کی۔ نشاط النساء بیگم تحریک آزادی کی علمبردار، رضیہ سلطانہ صاحبہ نے آزادی کی تحریک میں شامل خواتین کی خدمات، خاص طور سے نشاط النساء بیگم کی خدمت کو اچھے انداز میں پیش کیا۔ اس شمارے میں جو مضمون مجھے سب سے زیادہ پسند آیا اور یوم خواتین کے موقع پر لکھا گیا، تانیثیت کا ایک پہلو عالمی یوم خواتین تھا جو رابعہ ناز صاحبہ نے بڑے موثر انداز میں لکھا۔ مضمون کو پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ ابن کنول کے افسانوں میں داستانوی اثرات کے موضوع پر محسنہ نگار نے عمدہ مضمون تحریر کیا۔ مجموعی طور پر مارچ 2025 کا شمارہ عالمی یوم خواتین کی نسبت سے ایک بہترین شمارہ ہے۔ جس میں شامل تمام مضامین وافسانے قابل ستائش ہیں۔

جہان نسواں میں چار مضامین شامل ہیں جن میں سے تین خواتین اور ایک اردو میں خودنوشت کے موضوع پر مبنی ہے۔ خواتین پر جو مضامین شامل ہیں وہ مختلف نوعیت اور مختلف موضوعات پر ہیں۔ ان مضامین میں خواتین اور ان کی خدمات پر مختلف زاویہ نگاہ سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ افسانہ سرخ گلاب قابل تعریف ہے۔ حتیٰ کہ شمارے میں شامل تمام مشمولات عمدہ ہیں۔ خاص طور سے خواتین کی صحت کے تناظر میں کافی معلوماتی مضمون شامل کیا گیا ہے۔ دور حاضر میں خواتین بہت سی بیماریوں سے لڑ رہی ہیں خواتین کو اپنی صحت کے تئیں بیدار کرنے کے لیے خواتین دنیا کا شکریہ امید ہے آئندہ بھی خواتین کی صحت اور تندرستی پر مبنی مضامین پڑھنے کو ملتے رہیں گے۔

سبھی مضامین نگاروں اور خواتین دنیا کی ٹیم کو بہت بہت مبارکباد

اُنزلا فاروقی، ریسرچ اسکالر، شعبہ اردو (دہلی یونیورسٹی)

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی چند مطبوعات

دکنی ہندو اور اردو

مصنف: نصیرالدین ہاشمی

تیسری اشاعت: 2023

صفحات: 266

قیمت: 170 روپے

کلیاتِ فراق (جلد سوم)

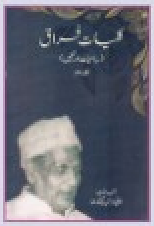

ترتیب و تدوین: کالی داس گپتا رضا

پہلی اشاعت: 2023

صفحات: 399

قیمت: 235 روپے

املا نامہ

مرتب: گوپی چند نارنگ

چوتھی اشاعت: 2023

صفحات: 97

قیمت: 80 روپے

جدید ہندوستان میں ذات پات اور دوسرے مضامین

مصنف: ایم این سری نواس

مترجم: شہباز حسین

دوسری اشاعت: 2023

صفحات: 180، قیمت: 125 روپے

قدیم لکھنؤ کی آخری بہار

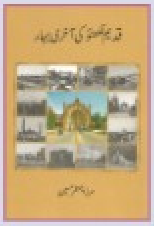

مصنف: مرزا جعفر حسین

دوسری طباعت: 2023

صفحات: 671

قیمت: 355 روپے

حالی کا سیاسی شعور

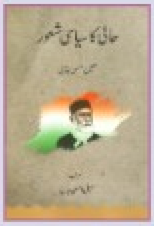

مصنف: معین احسن جذبی

مرتب: سہیل احسن جذبی

دوسری طباعت: 2023

صفحات: 164، قیمت: 215 روپے

حالی کی غزلیں اور قطعات

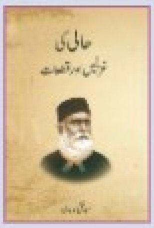

مرتب: سید تقی عابدی

پہلی اشاعت: 2023

صفحات: 66+185

قیمت: 150 روپے

نوم چامسکی

مصنف: علی رفاد فتیحی

پہلی اشاعت: 2023

صفحات: 54

قیمت: 70 روپے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066

فون: 011-26109746، فیکس: 011-26108159، E-mail: books@ncpul.in

माहनामा ख्वातीन दुनिया मासिक ,अप्रैल- २०२५वर्ष:९ , अंक: ४

Mahnama Khawateen Duniya Monthly April 2025, Vol.9, Issue: 4

National Council for Promotion of Urdu Language

Ministry of Education, Department of Higher Education, Government of India

RNI. No. DELURD/2017/74026

DL (S)-17/3555/2024-26

ISSN 2581-4826

Date of Publication: 13-04-2025

Date of Dispatch : 14 and 15 of every month

Total Pages: 64

سوچھ بھارت

ایک قدم صفائی کی جانب

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی چند مطبوعات

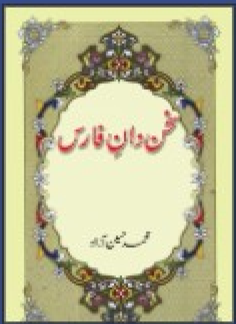

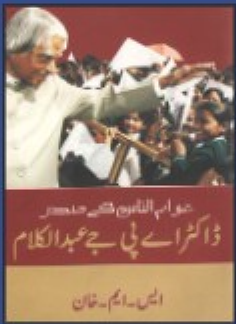

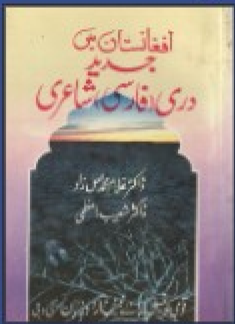

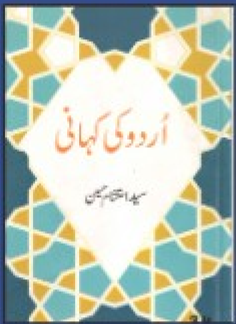

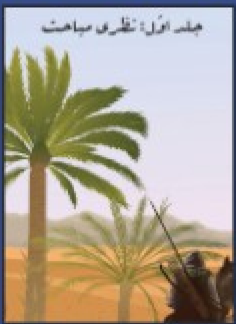

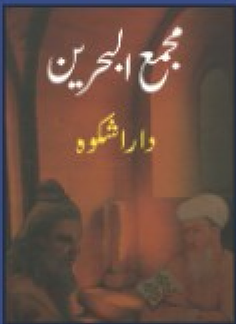

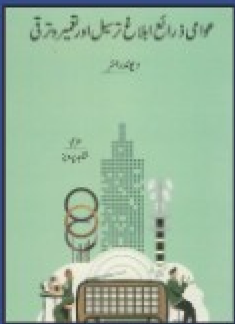

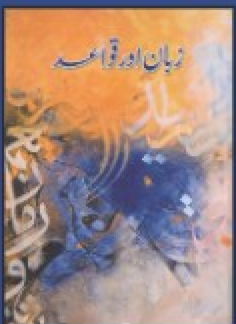

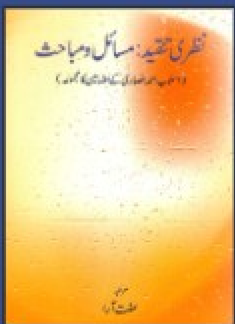

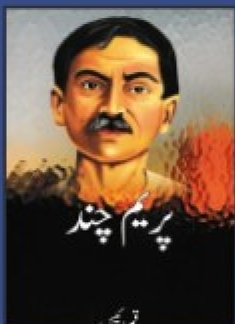

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی–110066

فون: 011-26109746، فیکس: 011-26108159، E-mail.: sales@ncpul.in

Printed and Published by Dr. Md. Shams Equbal, Director NCPUL, on behalf of National Council for Promotion of Urdu Language, and printed at Makoff Printers, B-127, Sector 65, Noida-201301 (U.P)
And Published at Farogh-E-Urdu Bhawan FC-33/9 Institutional Area Jasola New Delhi-110025